آسیہ رئیس خان

وہی راہ مقدر ٹھہری

مکمل ناول

digest library.com

آج اسے آنے میں دیر ہوگئی تھی۔ وہ اسٹیشن ہی دیر سے پہنچی تھی پھر شومئی قسمت کہ دو ٹرینیں کسی وجہ سے رد ہوئیں اور بھیڑ اس قدر بڑھ گئی کہ اس وجہ سے وہ اگلی تین ٹرینوں میں چڑھ نہ سکی۔

جلدی جلدی کام کرتے ہوئے اس پر کسی گڑبڑ کا خوف اس قدر حاوی تھا کہ وہ تسلی کی خاطر سب کچھ دوبارہ کررہی تھی۔ اور اپنی اس کیفیت پر وہ جھنجھلا اور گھبرا رہی تھی۔

اللہ اللہ کر کے کام تمام ہوئے۔

اس نے سب سمیٹا، ہاتھ سے بال درست کیے پھر دوپٹا اوڑھا اور خود کو شاباشی دیتے ہوئے میز پر رکھا بیگ کھول کر اندر دیکھنے لگی۔ ابھی اس میں موجود فون کی تصدیق کے بعد زپ بند ہی کی تھی کہ اسے آہٹ محسوس ہوئی۔

"اُفف!" اس نے سر اٹھا کے دیوار پر گھڑی میں وقت دیکھا۔

"لگتا ہے آگئے۔" پہلی بار وہ اپنے مالک کو دیکھنے والی تھی۔

"اتنے دن بعد پہلا سامنا اور پہلی ملاقات!"

اس کے اندر دبا دبا سا فطری جوش ابھرا۔ اس نے پھر دوپٹا درست کیا اور بیگ میز سے کھینچا۔ اس عمل میں میز کی 'پلیس میٹ' نیچے گر گئی۔ وہ اٹھانے کو جھکی۔

اپنی دھن میں سامنے سے گزرتا وہ اسے دیکھ کر رک گیا۔ دروازے کی چوکھٹ کے آگے رکے گئے پیروں کو دیکھتے وہ جھٹ سیدھی ہوئی اور اسی پل 'پلیس میٹ' کے ساتھ اس کے ہاتھ سے جانے کیا کیا چھوٹ کے گرا، ٹوٹا اور کرچی کرچی ہوگیا۔

نمی کے سر پر آسمان گرا تھا لیکن سامنے والے کا چہرہ وہی تھا برسوں پہلے جیسا سپاٹ اور بے تاثر۔

☆☆☆

"تو رکشہ یا اوبر سے آجاؤ۔" نشاط نے جھنجھلا کے کہا۔

"امی!" اس کی آواز ذرا بلند ہوگئی۔

"آپ سن بھی رہی ہیں، میں کیا کہہ رہی ہوں۔ یہاں میں آدھے گھنٹے سے کھڑی ہوں، اس طرف آنے کو کوئی تیار نہیں ہو رہا اور یہ سامان لے کر میں پیدل نہیں آسکتی۔" گھر قریب ہو یعنی کرایہ اور فاصلہ تھوڑا تو یہ بھی ایک پریشانی تھی کہ رکشہ والے منزل کا نام سنتے ہی آگے بڑھ جاتے تھے۔

"آپ بلال کو بھیجیں، وہ یہ سامان لے جائے تو میں پیدل آجاؤں گی۔"

"بیٹا! ذرا پانچ دس منٹ رکو۔ کوئی رکشہ مل ہی جائے گا۔" اس کے اندر شدید غصے کی لہر دوڑ گئی۔ بھلا بلال کو بھیجنے میں کیا قباحت تھی۔

"نہیں، یہ بتائیں۔ بلال کے آنے سے کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا؟"

"بلال تمہاری ترانہ بھابھی کے میکے گیا ہے، ترانہ نے گھر سے کچھ سامان لانے بھیجا تھا۔"

"کب گیا تھا وہ؟" وہ مزید آگ بگولہ ہوگئی۔

"بس اب آتا ہی ہوگا۔"

"وہ بس یا ٹرین سے ہی آئے گا نا، میں میکڈونلڈ کے پاس ہوں، دونوں طرف سے چار قدم کا فاصلہ ہے۔" اس کا لہجہ ضدی اور حتمی تھا۔

"اس کے پاس سامان ہوگا، تمہارے پاس بھی

digest library.com

سامان ہے، کیسے اتنا سب اٹھائے گا وہ؟ دو ہی ہاتھ ہیں اس کے، رک سکتی ہو تو رکو، گھر آنے کے بعد بھیجتی ہوں۔" انہوں نے فون بند کر دیا۔

"دن ہی خراب ہے آج میرا۔" نہیٰ نے فون کو گھورا۔

جتنی دیر وہ وہاں رکی رہی، دل ہی دل میں بلال کو سناتی رہی۔ اس کی اس کوفت کا ذمہ دار وہ ہی تھا اس لیے دور سے اسے دیکھتے ہی اس نے بدتمیزی سے اونچی آواز میں کہا۔

"جلدی نہیں آسکتے تھے؟" ادھر وہی ازلی سنجیدگی اور ہر تاثر سے مبرا صورت جو اس کو آگ لگا دیتی تھی۔ اب اس کے غصے اور بے صبری کو دیکھتے ہوئے اسے دوڑ کے اس کے ہاتھ سے ماڈل اور بیگ لے لینا چاہیے تھا لیکن وہ اسی رفتار سے چل رہا تھا۔

"اکڑ ہی نہیں جاتی اس کی۔" وہ بڑبڑائی۔

بلال نے قریب آ کے اس کے ہاتھ سے بڑا سا کارڈ بورڈ سے بنا ماڈل لیا۔ جس کا رکشے کے اندر سمانا دشوار ہوتا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں پروجیکٹ سنبھالے آگے بڑھا تھا کہ پیچھے سے اس نے ہانک لگائی، اسی بدتمیزی سے۔

"یہ بھی ہے۔" اس نے پیچھے مڑ کے اس کے 'یہ بھی' کو دیکھا۔

زمین پر ایک بڑی سی پلاسٹک وائر کی تھیلی تھی جس میں سائنس پروجیکٹ کا بقیہ سامان تھا۔ ماڈل کے ساتھ وہ تھیلی اٹھانا آسان نہیں تھا لیکن بلال کو تو کرنا ہی تھا۔ جب کہ وہ بیگ کاندھے سے لٹکا کر ایک ہاتھ میں تھیلی پکڑ سکتی تھی جو وزنی بھی نہیں تھی مگر بلال ہو تو کیا ناممکن اور مشکل ہوگا، سوچنا بھی ممنوع سمجھتی تھی اور اس کی موجودگی میں خود سے کچھ کر لینا تو عبث تھا۔

اس سے کہہ کے وہ اپنا بیگ شانے پر اور ہاتھ ہوا میں جھلاتی اس سے پہلے آگے نکل گئی۔ اب بلال کیسے وہ سب صحیح سلامت گھر پہنچاتا، اس کا دردِ سر نہیں تھا۔

یہ نہیٰ کے اسکول کے دنوں کا ایک دن تھا اور آگے بھی ایسے دنوں کی کمی نہیں تھی جب اس کی آواز اور خواہش پر بلال اس کی خدمت اور بجا آوری کے لیے موجود ہوتا تھا۔

وہ کالج سے گھر پہنچا ہی تھا کہ ترانہ کا فون آ گیا۔ وہ اپنے میکے جانے کا کہہ رہی تھیں۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا اور چلا گیا۔ وہاں سے واپس ہوا تو نشاط نے اسے یہاں روانہ کیا تھا۔ کسی کو پروا بھی نہ احساس کہ اس دوران اس کے کتنے ضروری کام چھوٹ گئے ہوں گے۔ بلال پر اس گھر سے ملا ہر حکم بجالانا فرض تھا، یہ دونوں گھرانوں نے مان لیا تھا۔ اس لیے مرضی، پسند، سہولت، فرصت جیسی باتیں کوئی نہیں سوچتا تھا۔ ہاں دونوں خاندانوں کے پاس یہ قبول کر لینے کی وجوہات مختلف تھیں۔

☆☆☆

"اس وقت کہاں جا رہی ہیں امی؟" وہ رات کو گھر آیا تو عشرت برقع پہن رہی تھیں۔

"اچھا ہوا، تم آ گئے۔ سالن روٹی بنی ہے کھانے کے بعد سالن بچا تو فریج میں رکھ دینا۔ مجھے دیر ہو جائے گی تم سو جانا۔"

برقع پہن کے انہوں نے اپنا پرانا، ہینڈل موچی کی سلائی سے جوڑا پرس اٹھایا۔ بلال کے اندر جانا پہچانا مخلوط سا احساس جاگا۔

"اگر دیر ہو تو مجھے فون کیجیے گا۔ میں لینے آ جاؤں گا۔"

"زیادہ دیر کتابوں میں سر مت کھپانا، سو جانا جلدی۔" انہوں نے بیٹے کی بات گویا سنی ہی نہیں جو وقت پر سونے کا عادی تھا۔

"دروازہ بند کر لو۔" انہوں نے چپلیں پیر میں اڑسیں۔

"اس وقت کیوں بلایا ہے؟" وہ دروازہ بند کرنے ان کے پیچھے آیا۔

"کل بھابھی کی بہن آ رہی ہیں، ابھی کچھ کام

digest library.com

ہو جائے گا تو صبح آسانی ہوگی، تم کھانا کھالو۔'' باہر نکل کر انہوں نے پھر تاکید کی۔

ان کے گلی سے مڑتے ہی اس نے دروازہ بند کرلیا۔

اس کی پہچان یہ تھی کہ وہ بے انتہا محنتی، ذہین، سمجھ دار ماں کا اکلوتا بیٹا، بڑی بہن کا لاڈلا بھائی اور یتیم لڑکا تھا۔ اس کے ساتھ ایک تعارف یہ بھی تھا کہ وہ عبدالمنان چاچا کا بے حد احسان مند اور مقروض تھا جنھوں نے سہارا نہ دیا ہوتا تو وہ آج کسی قابل نہ ہوتا۔

عشرت نے سترہ سال کی عمر میں ہی بریرہ کی شادی کروی تھی۔ ان کے لیے ہر پکار پر لبیک کی پہلی وجہ تو ان کے دل میں عبدالمنان کے لیے عقیدت، عزت اور تشکر تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ ان کی چھوٹی سی 'کھولی' ان کے عالیشان ناور کے پیچھے ہی تھی اور ہر دفعہ ایک فون کال پر ان کا پہنچنا آسان تھا۔ ان کے لیے جو سہولت ہے۔ وہ کسی اور کے لیے مصیبت بھی بن سکتی ہے، کسے یہ سوچنے کی فرصت تھی!

اس کے ابا کے دور پار کے کزن عبدالمنان خدا ترس انسان تھے جوان پر مہربان تھے۔ ان کی ہی مالی امداد تھی جو وہ پڑھ رہا تھا۔ عبدالمنان کے دیے سہارے کا احساس اور قرض تھا جو وہ دونوں ماں بیٹا ہمہ وقت ان کے گھر اور گھر والوں کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے اور انہیں بھی یہ علم تھا جو وہ دن رات، وقت، موقع دیکھے بنا ان ماں بیٹا کو استعمال کرتے تھے۔

عشرت نے اس کے ذہن میں بچپن سے یہ بات بٹھا دی تھی کہ اللہ کے بعد اس زمین پر اگر وہ جینے کے قابل ہیں تو عبدالمنان کی وجہ سے۔ جب انہیں بلایا جاتا وہ اس کا ہاتھ تھامے دوڑ پڑتیں۔ عشرت گھر میں سلائی کے ساتھ چھوٹے موٹے کام بھی کرتی رہتی تھیں۔ جب ان مشقتوں کے بعد وہ پھر عبدالمنان یعنی چاچا کے یہاں جاتیں تو اس کا دل اداسی سے بھر جاتا تھا۔ یہ دوہری مشقت اس کی وجہ سے تھی۔

اس نے ایک بار ماں سے پوچھا تھا۔ چاچا اور چاچی انہیں پیسے کیوں دیتے ہیں۔ بیٹے کے سوال پر ان کا دل دکھ گیا تھا کہ اسے ماں کا یوں کسی سے مدد لینا ناگوار گزر رہا ہے لیکن انہوں نے ٹالنے، بہلانے، جھٹلانے یا چھپانے کے بجائے اس کم عمری میں ہی اس کا ذہن بنا دیا تھا۔

''بیٹا! بھیک مانگنے اور کسی بھی مد میں عطیات کی شکل میں پیسے قبول کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ بھیک مانگنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ جبکہ عطیات کی شکل میں پیسے دینا۔ یہ نظام مجبور، حاجت مند اور کمزوروں کے لیے ہے، اسے برا نہیں سمجھو اور تم لینے والے ہو اس لیے خود کو کم تر بھی نہ جانو لیکن ہمیشہ یاد رکھنا یہ لینے اور دینے والے دونوں کے لیے دنیاوی آزمائش کی ایک کڑی ہے۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ دینے والا بھول جائے۔ لینے والا ہمیشہ یاد رکھے، احسان مند رہے، اگر ہم بھول گئے تو ہم اس آزمائش میں ناکام ٹھہریں گے۔'' یہ جملے اس کے دل پر نقش ہو کے رہ گئے تھے۔

وہ ہمیشہ خود کو چاچا کا مقروض سمجھتا تھا پھر بھی یہ نئی صورت حال اسے بے آرام کرتی تھی جہاں وہ تو خود کو کم تر نہیں سمجھتا تھا لیکن دوسرے اسے باور کرانے کے درپے تھے۔ وہ جس احساس کے تحت ان کے لیے حاضر ہوتا تھا، اُدھر ویسا احساس نہیں تھا۔ منان چاچا کے بعد ان کا گھر پہلے سا نہیں رہا تھا۔

اس نے چند لقمے کھانے کے بعد جھوٹے برتن دھوئے، ماں کی ہدایت کے مطابق بقیہ سالن فریج میں رکھا جو در اصل چاچا کے گھر کا چھوٹا اور پرانا فریج تھا اور کتابیں لے کر بیٹھ گیا۔

اس کا دن گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ چلتا تھا۔ صبح ساڑھے چار بجے اٹھ کے وہ قریبی عمارت کے مکینوں کی گاڑیاں دھوتا تھا پھر فجر کی نماز کے لیے مسجد جاتا جہاں کبھی روز عبدالمنان چاچا سے ملاقات

ہوتی تھی۔ اس کے بعد وہ قریب کی ہاؤسنگ سوسائٹیز میں اخبار اور دودھ کی تھیلیاں تقسیم کرنے نکل پڑتا۔

یہ کام ایک ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ پہلے وہ دودھ پہنچاتا اس کے بعد اخبار۔ نو بجے اسے کالج جانا ہوتا۔ پیدل اسٹیشن جاتے اسے بیس منٹ لگتے تھے۔

اس کا کالج دوسری لائن پر تھا سو اسے دادر سے ٹرین بدلنے کے لیے ہار بر لائن پلیٹ فارم پر جانا ہوتا۔ صبح کی بھیڑ میں اس کام میں بھاگتے دوڑتے بھی اسے چھ سے آٹھ منٹ لگ جاتے تھے اگر ذرا بھی دیر ہوتی تو اس کی دس بج کر چار منٹ والی ٹرین چھوٹ جاتی۔

اسٹیشن اتر کے وہ شیئرنگ رکشہ سے کالج پہنچتا تھا۔ کبھی چار کبھی پانچ بجے کالج سے فارغ ہو کے پھر واپسی میں الٹی ترتیب سے سفر کرتا گھر آتا۔ کبھی اسٹیشن کے پاس ہی کہیں مسجد میں نماز ہو جاتی کبھی گھر پہنچنے کے بعد اذان ہوتی۔

اس کے بعد وہ دو گھنٹے ایک ٹیوشن سینٹر میں نویں اور دسویں کو ریاضی پڑھاتا تھا۔ وہاں سے آکر وہ نماز اور کھانے کے بعد اپنی پڑھائی لے کر بیٹھ جاتا۔ اگر کسی دن ٹرین میں بیٹھنے کو نشست مل جاتی تب یا تو وہ نیند پوری کر لیتا یا کچھ پڑھ لیتا تھا۔

برسوں سے اس کے لیے پانچ گھنٹے کی نیند کافی تھی۔ اس کی زندگی میں نیند نہ آنے یا جاگتے رہنے جیسے مسائل نہیں تھے۔ وہ اسے ہی اپنی زندگی کی نعمت مان کر خوش تھا۔

☆☆☆

عبدالمنان خوفِ خدا رکھنے والے نیک فطرت انسان تھے۔ کہتے ہیں والدین اپنے اعمال، افعال اور طور طریقوں سے اپنے بچوں کے لیے مثال قائم کرتے ہیں، بچے والدین کو دیکھ کر اچھا برا سیکھ جاتے ہیں تاہم عبدلمنان کے بچے اس کہاوت سے مستثنیٰ۔ ان کے دونوں بچوں نے انہیں دیکھ کر ان سے نہ دین داری سیکھی نہ ان جیسی دنیاداری۔

عبدالمنان نے بھی شاید سوچا ہو کہ یہ وقت بچوں کا مستقبل اور زندگی سہل اور پرآسائش کرنے کا ہے، ابھی انہیں حلال کھلانے کے لیے ان کا محنت کرنا زیادہ اہم ہے، یہ بھی ان کی اولین ذمہ داری ہے اور وہ خون پسینہ بہا کے بچوں کے لیے حلال کمانے کی تگ و دو میں لگے رہے کہ پھر آگے جب مصروفیت اور معمولات کی رفتار دھیمی ہوگی، وقت ان کی دسترس میں ہوگا تو وہ بچوں پر محنت کریں گے، ان میں جو کمیاں رہ گئی ہیں، وہ دور کریں گے۔ لیکن بندہ خدا غفلت میں نہ پڑے یہ بھی ممکن نہیں۔

وہ بھی بھول گئے تھے کہ وقت ہر چیز کا مقرر ہوتا ہے، تربیت ہو یا زندگی ابھی وہ ملازمت سے سبک دوش بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک صبح دفتر کے لیے تیار ہوتے ہوئے بازو اور سینے میں اٹھنے والا درد جان لیوا ثابت ہوا۔

ان کے بعد بچے اپنے حال پر تھے۔ بیٹا ارشد بڑا تھا، محنتی اور قابل تھا لیکن دین سے رغبت باپ کی طرح نہ تھی۔ نمی جو بھائی سے بہت چھوٹی تھی، گھر بھر کی لاڈلی باپ کی وفات کے وقت جونیئر کالج میں تھی۔

نمی کی دلچسپی پڑھائی میں نہیں تھی۔ اچھا پہننا اوڑھنا، بننا سنورنا، دوستوں کے ساتھ گھومنا خوب خریداری کرنا اس کے شوق تھے۔ آج کل تازہ شوق نئے پکوان سیکھنے کا چڑھا تھا۔ بارھویں میں دو پرچے رہ گئے تو اس کا دل مزید اچاٹ ہو گیا۔ اس نے دو پرچے دینے کے بجائے کسی مشہور شیف کی 'ککنگ کلاس' میں داخلہ لے لیا۔ باپ کی وفات کے بعد بھائی نے اسے ہاتھ کا چھالا بنا رکھا تھا۔ کوئی روک ٹوک تھی نہ بندشیں۔ وہ اپنی مرضی کی مالک تھی۔

آج اس نے اپنی دوستوں کو گھر بلایا تھا۔ چوں کہ اب وہ کالج نہیں جاتی تھی تو سب سے ملاقات بھی نہیں ہو رہی تھی۔

''امی میں کولڈ ڈرنکس بھول گئی ہوں۔ آپ بلال کو فون کر دیں۔ ہم پندرہ بیس منٹ میں کھانے بیٹھیں گے۔'' اس نے نشاط کے کمرے میں جھانک

digest library.com

کے کہا۔

''نبیل!'' انہوں نے پکار کے روکا تو وہ پلٹی۔

''اتنے سے کام کے لیے کیا بلاؤں، تم وہ ایپ سے آرڈر کردو۔'' بات معقول تھی لیکن بلال کو رعایت دینے کا خیال ہی اسے ایک دم برا لگ جاتا تھا۔ اس کی فکر کیوں، کس لیے؟

''امی ایپ ڈاؤن ہے۔'' سفید جھوٹ کہتی وہ رکی نہیں۔

نشاط نے بلال کو فون کر دیا۔ کھانا اسی نے بنایا تھا بلکہ یہ دعوت اپنا کورس مکمل ہونے کی خوشی میں تھی۔

وہ دوستوں کے ساتھ کھانا میز پر لگا رہی تھی جب وہ ہال میں داخل ہوا۔ اسے نہ دعوت کا پتا تھا نہ یہ کہ ہال میں اتنی ساری لڑکیاں موجود ہوں گی۔ وہ اپنی جگہ خاموش کھڑا نشاط کو ڈھونڈ رہا تھا۔

''نبیل!'' اس کی دوست نے پکار کے آنکھوں سے بلال کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پلٹی اور اس کے ہاتھ سے سامان لے لیا۔

''امی نے تمہیں بلایا ہے۔'' اس نے ماں کا پیغام دیا۔ وہ ان سب کے درمیان سے گزر کے نشاط کے کمرے کی طرف بڑھا۔

''یہ تمہارا سرونٹ ہے؟'' یہ سرگوشی کی ناکام کوشش تھی۔

''نہیں۔'' نبیل نے آواز بدستور بلند ہی رکھی۔

''پھر؟ اسے میں نے کالج میں بھی دیکھا تھا تم گھر اسائنمنٹ بھول گئی تھیں تو یہی لے کر آیا تھا نا؟''

بلال نے دروازے پر دستک دی۔

''کوئی نیڈی (ضرورت مند) ہے، پاپا مدد کرتے تھے، آؤ۔ اب اسٹارٹ کرو۔'' اس نے موضوع بدلا۔

''اچھا تب ہی وہ چپ چاپ کر دیتا ہے ورنہ ایسی شکل والے تو کتنے ہی غریب ہوں لڑکیاں دیکھ کے شو آف اور ایٹی ٹیوڈ دکھاتے ہی ہیں۔''

''اونہہ! اس میں کیا ہے کہ ایٹی ٹیوڈ دکھائے۔''

اس کا لہجہ!

''اب چلو کھا کے بتاؤ، کیسا بنایا ہے میں نے۔''

ادھر نشاط نے دروازہ کھولا۔

''یہ عشرت کو دے دینا۔'' انہوں نے دروازے کے قریب رکھی تھیلی کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے آگے بڑھ کے تھیلی اٹھالی۔

''اور کوئی کام یا میں جاؤں؟'' اس نے کچھ کہا نہیں تھا تاہم اس کی نگاہوں کا پیغام نشاط نے پڑھ لیا تھا۔

''اور کچھ نہیں ہے بیٹا! جاؤ۔''

اسے واپس وہیں سے گزر کے جانا پڑا تھا۔

ابھی کچھ باتیں دل دکھاتی ہیں اور کہنے کا انداز اور جہاں دونوں کا سنگم ہو تو روح چھلنی ہو جاتی ہے۔ اسے کام کرنا کبھی برا نہیں لگا تھا لیکن جس طرح وہ اپنا حق سمجھ کر اسے حکم دیتی وہ اس کا خاموش دعویٰ تھا کہ بلال غلام ہے۔ اور اس کا یہ انداز ہی اسے اس قدر بے چین کرتا تھا کہ خود کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

☆☆☆

دانیال کی سالگرہ تھی اور نشاط نے ایک لمبی فہرست دے کر اسے سامان لانے بھیجا تھا۔

ارشد ایک ملٹی نیشنل ادارے سے منسلک تھا۔ اس کے دو بچے تھے دانیال اور مائرہ جو ماں باپ سے زیادہ دادی اور پھپھو سے قریب تھے۔

ارشد اور ترانہ نئی نسل کی اس جماعت سے تھے جن کے لیے کریئر اور لائف سیٹ ہونے کے بعد آخر میں شادی کی باری آتی ہے۔ ارشد اپنی کارپوریٹ نوکری میں بیرون ملک کے کئی چکر لگا آیا تھا۔ ایسے ہی کسی سفر میں ترانہ سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ یہی وہ وقت تھا جب دونوں تیس کا ہندسہ پار کرنے کے بعد شادی کا سوچ رہے تھے۔

ترانہ بینک میں اونچے عہدے پر ملازم تھی۔

ارشد، عمر میں ترانہ سے پانچ سال بڑا تھا۔ جلد دونوں کے گھر والوں کی رضامندی سے ان کی شادی

ہوگئی۔ کریئر اور زندگی کے اہم معاملات میں ان دونوں کی سوچ یکساں تھی۔ وہ جتنی محنت سے لاکھوں کما رہے تھے، اس سے زیادہ شاہانہ انداز میں جی رہے تھے۔ عبدالمنان کی زندگی میں بھی وہ کھاتا پیتا گھرانہ تھا لیکن اب انداز ہی الگ تھے۔

علاقے کے سب سے مشہور اور اعلا رہائشی علاقے نامور ٹاور میں چار بیڈروم والا، فلیٹ، دونوں کی ذاتی کاریں، پرآسائش اور جدید سہولیات سے مزین گھر، نامور اور مہنگے اسکولوں میں پڑھتے بچے، کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

چوں کہ ترانہ کو اپنی کمائی اپنی مرضی سے خرچ کرنے کی مکمل آزادی تھی سوائے بھی شوہر کا ماں اور بہن پر خرچ کرنا برا نہیں لگا تھا۔ اس کے بچے بھی دراصل وہ ہی پال رہی تھیں۔

"امی! بچے زیادہ ہیں۔ ریٹرن گفٹس کم پڑیں گے۔ میں نے یہ لسٹ بنائی ہے بلال کو ابھی دیں۔" اس نے کاغذ ماں کے سامنے کیا۔

"رہنے دو۔ وہ اتنی دور گیا ہے اب پھر واپس بھیجنا۔ ان بچوں کو چاکلیٹ دے دینا۔" اس کی فرمائش سن کر امی نے دبے لہجے میں ٹوکا۔ گھر میں ملازم تھے جن کی ذمہ داریاں طے تھیں اور ایسے کاموں کے لیے سب کو بلال پر بھروسا تھا جو تنخواہ دار ملازم نہیں تھا۔

"چار قدم چل کے جانا ہے، اس میں کاہے کے نخرے!" اس کی آواز اور لہجہ بدستور اونچا اور نخوت سے بھرا تھا۔ اسے نشاط کا ٹوکنا اور وہ بھی اس وجہ کے ساتھ ذرا اچھا نہیں لگا تھا۔

"کون نخرے کر رہا ہے۔؟" انہیں بھی اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ اس معاملے میں وہ حد سے بڑھنے لگی ہے۔

"میں منع کر رہی ہوں۔"

"بھابھی کیوں منع کر رہی ہیں۔ نُہی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے، اچھا نہیں لگے گا چند کو چاکلیٹ دیں اور باقیوں کو تحائف۔"

"وہ بچہ پہلے ہی صبح سے لگا ہے اب اور کتنا دوڑاؤں؟"

"آپ کچھ زیادہ ہی سوچ رہی ہیں ذرا سا کام ہی ہے اور جتنا بھائی اور آپ ان کا کرتے آئے ہیں، یہ معمولی کام تو اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔ بھائی تو جانے کیا کیا دیتے دلاتے رہے ہیں، اللہ انہیں اجر دے لیکن اب آپ بھی تو ان کے بعد ساری زکوٰۃ اٹھا کے انہیں دے دیتی ہیں بدلے میں اتنا تو کرنا چاہیے یہ بھی نہ کرے تو۔"

"وہی تو پھپھو۔" جوش میں اس نے ان کا جملہ اچک لیا۔

"امی ایسے ہی ہو کرتی ہیں کہ جانے کون سا ظلم کر رہی ہوں میں۔ وہ کوئی احسان نہیں کرتا ہے ہم پر بلکہ اسے تو بنا بولے ہی سب کر دینا چاہیے۔"

"یہ زمانہ ایسا ہی ہے بیٹا کسی کا کتنا بھی کرو، انہیں ہمارا احساس نہیں ہوتا، یہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں اپنا مطلب نکالنے والے۔" پھپھو کا انداز یوں تھا جیسے جانے کتنوں نے انہیں مایوس کیا ہو۔

"بلال اور عشرت ایسے نہیں ہیں۔" دروازے میں کھڑا بلال اندر آیا۔

"لسٹ چیک کرلیں، کچھ رہ تو نہیں گیا۔" اس نے دونوں ہاتھ کی تھیلیاں فرش پر رکھیں اور جیب سے کاغذ اور بقیہ پیسے بل سمیت، نکال کر نشاط کو دیے۔

"تم کبھی کچھ بھولتے کہاں ہو بیٹا۔" انہوں نے کاغذ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ کچھ چیزیں ہیں۔" پھپھو نے نُہی کے ہاتھ سے پرچی لے کر اسے تھمائی۔

"ذرا جلدی لانا، بچے آتے ہی ہوں گے۔" نُہی ایک نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اندر چلی گئی۔

وہ عمارت سے باہر نکلا تو ان لوگوں پر غصہ تھا جنھوں نے آنسوؤں کو مردانگی کا حریف بنا دیا تھا۔ دل تو سب کا ایک سا دکھتا ہے، درد کی تو کوئی جنس نہیں ہوتی۔ یہ پہلی بار نہیں تھا کہ وہ ضبط کر رہا تھا۔

digest library.com

''حشر ہے نا بلال!'' اس نے ایک بار پھر خود کو تسلی دی۔ وہ تصور میں اسی میدان میں نہیٰ کا گریبان پکڑے سوال کرتا تھا۔

☆☆☆

وہ ٹرین پکڑ چکا تھا جب ارشد کا فون آیا۔ وہ ایک اہم پین ڈرائیو گھر بھول گیا تھا جو گلے ایک گھنٹے میں اسے چاہیے تھی۔ اس نے یہ جانے بغیر کہ وہ کہاں ہے، آسکتا ہے یا نہیں، فون رکھ دیا۔ اگلے اسٹیشن پر اتر کے وہ دوسرے پلیٹ فارم پر آیا اور واپسی کی ٹرین لی۔ اسٹیشن کے باہر ہی اسے دوست مل گیا۔ جو اسی طرف جا رہا تھا، وہ اس کی بائیک پر ارشد کی عمارت کے قریب پہنچا ہی تھا کہ نشاط کی کال آگئی۔

''کہاں ہو بیٹا؟''

''بس پہنچ رہا ہوں چاچی! دو چار منٹ۔''

''اچھا۔ میں نہیٰ کو پین ڈرائیو لے کے نیچے بھیج رہی ہوں۔'' ارشد کو کچھ زیادہ ہی جلدی تھی شاید۔

''ٹھیک ہے۔''

بائیک عمارت کے اندر داخل ہوئی تو وہ دور لابی کے قریب کھڑی تھی۔

''تھینک یو یار۔'' اس نے اترتے ہوئے مونس کا شکریہ ادا کیا جو سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تو اسے کیسے جانتا ہے؟'' وہ ست قدم اٹھاتی ان کی سمت آرہی نہیٰ کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا حسن ہے یار۔ مجھے انٹروڈیوس کروا اس سے۔'' اسے اس کا انداز جتنا برا لگا اس سے زیادہ حیرت ہوئی۔ اس نے قریب آئی بیزار سی نہیٰ کو پہلی بار بغور دیکھا۔

''حسن؟'' وہ یہ لفظ کسی بھی معنی میں نہیں کے ساتھ منسوب نہیں کر سکا۔

نہیٰ نے پین ڈرائیو والا ہاتھ آگے کیا، بلال نے لی اور وہ پلٹ گئی۔

''اُف ایٹی ٹیوڈ بھی ہے!'' وہ شدید متاثر تھا۔

''کہیں تُو نے ہی سیٹ تو نہیں کر لی؟'' اس نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا۔

''لاحول۔'' اسے بہت برا لگا۔

''میری کبھی بات نہیں ہوئی نہ مجھے پسند ہے۔'' اس کا روکھا لہجہ اور تندسی آواز دوست کے لیے نئی تھی۔

''ناراض کیوں رہا ہے، چل چھوڑ دیتا ہوں اسٹیشن پر۔'' اس نے بائیک شروع کی۔

''ویسے تُو نے آج کالج بنک کیوں کیا؟'' بلال نے پیچھے بیٹھتے ہوئے اس کی خبر لی۔

☆☆☆

گریجویشن کے فائنل میں پھر اس کے دو پیپر رہ گئے تھے۔ وہ اپنی دوسری مصروفیات میں دو پرچے بھول ہی گئی۔ اس کی سہیلیاں ماسٹرز ہونے آئی تھیں لیکن اس نے وہ دو پرچے دیے ہی نہیں۔

دور یا قریب جہاں بھی کوئی انوکھا لیکنگ کوکنگ کورس ہوتا، وہ شوق اور مزے کے لیے داخلہ لے لیتی۔ وہاں نئی دوستیاں ہو جاتیں، ایک الگ گروہ بن جاتا اور پھر ساتھ میں پورا شہر گھوم پھر کے شاپنگ اور موج مستی ہوتی رہتی۔

اسے احساس ہی نہیں تھا کتنا وقت اس نے ایسے ہی گزار دیا ہے۔ ہر بار جب خیال آتا کہ پرچے باقی ہیں اور اس نے سنجیدگی سے آگے کا کچھ سوچا نہیں تو وہ طے کرتی بس یہ مہینہ، پھر سب چھوڑ کے فیوچر، کریئر اور پڑھائی کا سوچوں گی۔

بلال کو جاب ملتے ہی عشرت اور وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔ اسے دلچسپی نہیں تھی، کون سی نوکری ملی، کہاں گئے اس لیے کبھی دھیان ہی نہیں دیا۔ عشرت سے نشاط کا رابطہ تھا۔ وہ ملنے بھی آتی تھیں۔

پھر سنا کہ بریرہ کے شوہر کے بھی دن پلٹ گئے اور وہ دونوں دبئی چلے گئے ہیں۔ بلال کو اس نے برسوں نہیں دیکھا وہ اسے بھول ہی گئی تھی جب تک کہ وہ حادثہ نہ ہوا۔

☆☆☆

جب تک کوئی دوسرا سانحہ اور دکھ وارد نہیں ہوتا

digest library.com

آخری والا ہی زندگی کا سب سے بڑا ہوتا ہے۔
عبدالسنان کی وفات کے بعد کسی نے نہ سوچا تھا کہ جلد دوسرا حادثہ زندگی کے سب سے بڑے صدمے کی جگہ لے لے گا۔

دونوں کسی دوست کی سالگرہ کی تقریب میں شریک ہونے گئے تھے اور اس ریستوران میں آگ لگ گئی۔ وہ آگ کی وجہ سے اندر اس طرح پھنسے کہ باہر نہ نکل سکے۔ ان کی موت آگ یا جلنے سے نہیں بلکہ دھوئیں کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اتنا اچانک اور شدید صدمہ تھا کہ وہ سب ٹوٹ گئے۔ جو بھی سنتا، اس کے لیے یقین کرنا مشکل ہوتا۔ نشاط ہوش وحواس کھو بیٹھیں۔ شوہر کے بعد اکلوتے بیٹے کی جواں، موت سہنا کہاں آسان ہوتا ہے بھلا۔ وہ ہوش وحواس سے بے گانہ رہیں لیکن کب تک! ایک وقت کے بعد جب بھیڑ چھٹ جاتی ہے تو آپ اپنی صورت حال اور حقیقت کے ساتھ تنہا ہی ہوتے ہیں۔

نشاط پر جوان بیٹی اور دو چھوٹے بچوں کی ذمہ داری تھی۔ اپنوں سے جدائی کا دکھ، خسارہ اور تکلیف سے زیادہ ان کی سوچ جس نے مفلوج کی وہ سامنے موجود برہنہ حقیقتیں تھیں۔

جلد انہیں علم ہوا کہ یہ چمکتی دمکتی زندگی کی بنیاد ادھار تھی۔ بینکوں سے مستعار لی گئی روشنی نے سب اجلا کر رکھا تھا۔ فلیٹ اور کاریں ہی نہیں گھر کی بیشتر اشیاء بینک کے قسط وار قرض پر حاصل کی گئی تھیں جو بہو بیٹا ہر ماہ سہولت سے ادا کر رہے تھے۔ کریڈٹ کارڈ کے بلز بھی قسطوں میں تبدیل شدہ تھے۔

نشاط کو گھر اور بچوں کے مالی معاملات کی کوئی خبر تھی نہ سمجھ تھی۔ بیٹا بل ادا کر کے ہاتھ میں خرچ کے پیسے رکھ دیتا تھا۔ گھر پر آ رہے نوٹس اور بینک کے فون ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ نہیٰ سے انہوں نے ایک دو بار کہا بھی کہ وہ دیکھ کر انہیں بتائے لیکن وہ دنیا کیا اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گئی تھی۔ دوستیں بھی چند دن کی دل جوئی کے بعد اپنی دنیا میں گم ہو گئی تھیں۔ سارا دن کمرے میں سونا یا رات کو اکیلے ہال میں بیٹھ کے روتے رہنا، اس کے یہ ہی دو کام تھے۔ اس کے علاوہ جب دل کرتا وہ بچوں کے ساتھ ہوتی جنہیں بدلے ماحول اور والدین کی جدائی نے سن کر دیا تھا۔

جب بلال آیا تو انہوں نے سب اس کے آگے رکھ دیا۔ چند مہینے رشتے دار آتے جاتے رہے تھے مگر آہستہ آہستہ یہ بھی بند ہو گیا۔ اب کوئی بھولا بسرا فون آ جاتا تھا۔ ایک عشرت اور بلال ہی تھے جو برسوں بعد ایک بار پھر ان کی زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔

''اب تو میں نے ان کی کال اٹھانا ہی بند کر دی ہے۔'' نشاط نے کہا تو بلال نے انہیں دیکھا۔

وہ تنہا عورت اس صدمے کے بعد سب سنبھال رہی تھیں۔ عشرت نے اسے بتایا تھا کہ بچوں کو سنبھالنا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔ ان کے ننھیال میں موجود ماموں اور خالائیں بھی کچھ دنوں کے بعد پلٹ کے نہیں آئے۔ اسکول والے مزید چھٹیاں دینے، تیار نہیں، بچے اسکول جانے کو تیار نہیں۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ان کی پریشانی جانتے ہوئے کیسے ان کی فکروں میں اضافہ کرے۔ لیکن جتنا جلد وہ حقیقت سے آگاہ ہو جاتیں، اچھا تھا کہ انہیں یہ سب قبول کرنے میں بھی وقت لگنا تھا۔

''چاچی!'' اس نے ایک گہرا سانس اپنے اندر اتار کے انہیں دیکھا۔

فلیٹ اور کاروں کے علاوہ ان تینوں یعنی ارشد، ترانہ اور نہیٰ کے کریڈٹ کارڈ بل اوور ڈیو تھے۔ کارڈ بھی ان تینوں کے تین نہیں تھے۔ نہیٰ کے نام پر ایک ہی تھا لیکن ان دونوں کے پاس الگ الگ چار سے پانچ کریڈٹ کارڈز تھے۔ فلیٹ کے لیے لیا گیا کروڑوں کا قرض جس کا دورانیہ بیس سے پچیس برس تھا۔

وہ خالی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ فون نہ اٹھانا اس کا حل نہیں تھا۔

''میں منڈے کو بینک جا کر دیکھتا ہوں لیکن

digest library.com

ہمیں کسی بھی طرح ان کا پیسہ تو لوٹانا ہوگا۔'' انہیں کچھ اشارے دینا بھی ضروری تھا کہ ان کا ذہن تیار ہوتا۔
''بینک، قسط کی ادائی کی کوئی صورت نہ ہونے پر۔ فلیٹ کا ریں ضبط کر سکتا ہے۔'' ان کا منہ کھلا رہ گیا اور آنکھیں بھر آئیں۔ چھت چھن جائے تو وہ دو بچوں اور ایک جوان بیٹی کو لے کر کہاں جائیں گی؟
''آپ فکر نہ کریں۔ میں پوری تفصیلات معلوم کرلوں پھر سوچیں گے اس کا حل۔''
ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ وہ یونہی چپ بیٹھی رہیں۔
''دانیال اور مائرہ کدھر ہیں؟'' اس نے بات بدلی۔ اسی وقت مائرہ بسورتے ہوئے اندر آئی۔
''دادو! بھوک لگی ہے مجھے فرائز کھانے ہیں۔''
اس بچی کو کہاں خبر تھی کہ اس کی ایسی ہر فرمائش پر اب دادی کا دل کیسے کٹ رہا تھا۔
''چلو!'' بلال کھڑا ہو گیا۔
''دانیال کو بھی بلا لو، فرائز کھا کے آتے ہیں۔''
چھ سالہ مائرہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ کچھ کہے بنا اندر دوڑی اور کچھ پل بعد دانیال کو کھینچتی باہر آئی جو اس کی طرح زیادہ پرجوش نہیں تھا۔
''میں کچھ وقت بعد انہیں چھوڑ جاؤں گا۔'' اس نے نشاط سے کہا اور دونوں اس کے ساتھ باہر چلے گئے۔
جانے کتنی دیر وہ خلا میں تکتی رہی تھیں، نبیٰ کے پکارنے پر چونکیں۔
''امی دانی اور مارو کہاں ہیں؟'' وہ گھبرائی سی تھی۔
''بلال لے گیا ہے انہیں باہر۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔
''کیوں؟'' اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔
''چار پیسے کیا کمانے لگا ہے، خود کو بااختیار ہی سمجھ لیا ہے!'' اس نے تنفر سے سوچا۔
اسے اس کا یوں ان کے کہے بنا، اپنی مرضی سے کچھ بھی کرنا کھل رہا تھا۔ اس نے تو آنکھ اٹھا کے اسے دیکھا بھی نہیں تھا لیکن گھر میں موجود لوگوں کی باتیں کان میں پڑتی رہی تھیں۔
''کتنا بدل گیا ہے بلال! لگتا ہی نہیں وہی ہے۔''
''بڑی اچھی جاب ہے اس کی۔''
''سنا ہے گھر بھی لے لیا ہے۔''
''دن ہی پلٹ گئے ہیں ان کے تو!''
''کیوں کا کیا مطلب؟'' نشاط نے ذرا غصے میں کہا۔ ''کوئی تو ہے جسے بچوں کو باہر لے جانے کا خیال آیا، کب تک گھر میں قید رہیں گے، اب انہیں اسکول بھی جانا ہے، روز فون آتا ہے وہاں سے، تم سوئی رہو جاؤ کمرے میں ہم دیکھ لیں گے ادھر سب۔''
''امی!'' وہ حیران سی ان کے پاس آئی۔
''کیا ہوا ہے، غصہ کیوں ہیں آپ؟''
انہوں نے بیٹی کو دیکھا اور سرد آہ بھرتی واپس بیٹھ گئیں۔
''بینک والے یہ گھر ضبط کرلیں گے۔'' وہ رونا نہیں چاہتی تھیں لیکن روہانسی تو ہو گئی تھیں۔ اس کے منہ سے کیوں نکلتے نکلتے رہ گیا۔
اس نے ہی بڑی شان سے اپنی دوستوں کو بتایا تھا کہ کیسے چٹکیوں میں اس کے بھائی کو بینک سے کروڑوں کا 'لون' مل گیا تھا۔
وہ خاموشی سے ان کی بغل میں بیٹھ گئی۔
آگے کیا؟ وہ یہ سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ ذرا دیر بعد نشاط اٹھ کے اندر چلی گئیں۔ انہیں رات کا کھانا بنانا تھا۔ اس نے اپنے کمرے میں جا کے فون اٹھایا اور انسٹا پر مصروف ہو گئی، یہ ہی اس کا سب سے بڑا سہارا تھا جو اسے اپنے حالات بھلا دیتا تھا۔ اس کے قصداً خود فراموشی کو چنا تھا۔ تلخ سچائیاں اس کی برداشت سے باہر تھیں سو اس نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلی تھیں۔

☆☆☆

اگلی بار وہ ان سے ملنے آیا تو عشرت بھی ساتھ

تھیں۔اس کے پاس کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔اس نے انہیں درپیش سارے مسائل گوش گزار کیے، تمام ممکنات اوراس نے جو حل سوچے تھے وہ بھی۔

بینک کو گھر اور کاریں ضبط یا نیلام کرنے سے روکنے کے لیے لازم تھا پہلے قسطیں ادا کر دی جاتیں۔ارشد اور ترانہ کا معاملہ یہ تھا کہ نئی تنخواہ آتی اور قسطیں ادا ہوتی تھی۔یہاں نشاط کی بچت سے بقایا قسطیں ادا ہوئیں۔دونوں میاں بیوی نے کسی انہونی کی صورت میں، سب جگہ ایک دوسرے کو نامزد کیا ہوا تھا اور اب دونوں ہی نہیں رہے تھے۔نشاط کو ان کے اکاونٹ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بھی ایک طویل کاغذی کارروائی سے گزرنا پڑا۔

اس دوران ان کے رشتے دار بھی 'جتنے منہ اتنے مشورے' کے ساتھ موجود تھے لیکن نشاط کا دل بلال کے علاوہ کسی پر بھروسا کرنے کے لیے راضی نہ تھا۔وہ اس وقت اپنے مرحوم شوہر کی دانش مندی اور دور اندیشی پر بھروسا کرنے میں زیادہ مطمئن تھیں کہ انہوں نے بلال میں کچھ تو دیکھا تھا جو وہ انہیں عزیز تھا اور اب تک اس نے انہیں مایوس بھی نہیں کیا تھا۔

فلیٹ چھن جانے کے بعد سب سے اہم مسئلہ ان کی رہائش کا تھا۔اب تک انہیں شاذ۔ ہی شوہر کی پینشن خرچ کرنے کی ضرورت پڑی تھی۔وہ اکٹھا ہوتی رہی تھی جس میں سے قسطیں بھری گئی تھیں۔اس وقت وہ ہی ان کی کل بچت تھی لیکن اس میں نیا مکان ملنا ناممکن تھا۔عبدالمنان کی ماہانہ پینشن اب ان کے اخراجات پورے کرنے کا واحد ذریعہ تھی تاہم سر پر چھت بھی ضروری تھی۔اگر وہ پینشن سے کرایہ ادا کرتیں تو اخراجات کہاں سے پورے کرتیں۔بلال نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ کسی طرح ان کے لیے مکان کا انتظام کرے گا لیکن انہیں یہاں سے دور جانا ہوگا جہاں قیمتیں کم ہوں۔

نبی اس کی آمد کے ساتھ اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔جب تک وہ کام کاج کرتا رہا اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا لیکن اب اسے بچوں کے ساتھ بے تکلف دیکھ کر وہ اپنی ناگواری چھپا نہیں پاتی تھی۔اس کے شعور میں ان کی زندگیوں میں بلال کی مداخلت خدمت کی حد تک تھی۔اس کے آگے وہ 'ان جیسا' نہیں ہو سکتا تھا۔

جب نشاط نے اسے اطلاع دی کہ بلال کی کوششوں سے یہ 'فلیٹ' کسی نے ان کی منہ مانگی قیمت میں خرید لیا ہے اور بینک کا قرض لوٹانے کے بعد ان کے پاس چند لاکھ بچ بھی جائیں گے، اسے رونا آگیا۔وہ یہ خوبصورت گھر، شہر کا یہ 'پوش' علاقہ بھی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔دھچکا اسے ان کی دوسری بات سے لگا کہ اب وہ ان کے لیے چھوٹا سا نیا مکان وسئی یا اس کے آگے دیکھ رہا ہے۔شہر کے اس حصے کو تو اس نے کبھی ممبئی مانا ہی نہیں تھا۔بوریولی کے آگے کا علاقہ وہ تھا جسے اس جیسے لوگ حقیر گردانتے تھے۔

جب وہ نیا مکان دیکھنے جا رہی تھیں تو ان کے لاکھ کہنے کے بعد بھی وہ ساتھ جانے تیار نہیں ہوئی۔کئی دنوں کی بھاگ دوڑ کے بعد آخر انہیں مطلوبہ مکان مل ہی گیا جو چار افراد کے لیے کافی اور ان کے بجٹ میں تھا۔

'ون بی ایچ کے' میں منتقل ہوتے وقت اسے نشاط کا سکون سمجھ میں نہیں آرہا تھا جب کہ خود اس کا رورو کے برا حال تھا۔وہ گنا چنا سامان ساتھ لے جانے کے لیے باندھ رہی تھیں کہ وہاں جگہ ہی اتنی تھی۔ویسے بھی گھر کا بڑا سامان یعنی سارا فرنیچر، فریج، اے سی، ٹی وی وغیرہ بھی بک گیا تھا۔

''سب کچھ بیچ دینے کی کیا ضرورت ہے امی؟'' وہ چڑ گئی تھی۔

''جب تمہیں کچھ جاننے میں دلچسپی ہی نہیں ہے تو چپ ہی رہو۔'' انہیں بھی آج کل جلدی غصہ آجاتا تھا۔

''کہاں کہاں کتنا پیسہ دینا ہے، سن لو تو ہوش اڑ جائے۔ہم چٹنی روٹی کھا کے گزارا کر لیں گے لیکن قرض دار نہیں رہیں گے۔''

انہوں نے ان حالات سے یہ ہی سیکھا تھا۔وہ

digest library.com

اپنے بعد کسی پر یہ بوجھ چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ سر پر چھت کے لیے انہوں نے برسوں سے سنبھالا شوہر اور اپنی شادی کا یادگار زیور بھی دے دیا تھا لیکن ان کی لاڈلی کو کہاں وقت اور حالات کی نزاکت سمجھ میں آرہی تھی۔

بیٹا بہو کو آسائش بھری زندگی کی خواہش کے ساتھ ساتھ اپنی حیثیت کی نمائش اور اپنی 'کلاس' کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تمنا نے یہ دن دکھایا تھا۔ اس میں انہیں اپنا قصور بھی نظر آرہا تھا کہ اتنا سب کہاں سے آرہا ہے، کیسے پورا ہورہا ہے، کتنا اور کیا ضروری ہے، کیا غیر ضروری، انہوں نے کبھی جاننے کی کوشش کی تھی نہ روکنے ٹوکنے کی۔

جب وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے تو سب سے زیادہ سامان اسی کا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے، جوتے، پرس، میک اپ، سب کچھ ساتھ رکھا تھا۔ سمجھانا بجھانا بے سود دیکھ کر نشاط نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ یہ سب قبول کرنے میں اس کی مزاحمت وہ سمجھتی بھی تھیں۔ نیا گھر دیکھ کر اسے دکھ نہیں ہوا بلکہ غصہ آنے لگا۔

''ہم یہاں رہیں گے؟'' اس نے عمارت کو دیکھا۔ وہ عالیشان ٹاور سے چار منزلہ عمارت میں آگئے تھے جہاں لفٹ بھی نہیں تھی۔ نشاط نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ دانیال اور مائرہ بھی سہمے اور ملول تھے اور اس کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔

''یہ اس نے جان بوجھ کے کیا ہے!'' اس نے بلال کو گھورا جو سامان اتار رہے مزدوروں کو ہدایت دے رہا تھا۔

اس کا اس طرح منہ پھولا تھا جیسے بہت کچھ اس کی مرضی سے ہوسکتا تھا لیکن کسی نے اس کی سنی نہیں۔ نشاط کے پاس بیٹی کی دل جوئی کا وقت نہیں تھا۔ دو چھوٹے بچے اس تبدیلی و تنزلی پر زیادہ ہکا بکا تھے۔

بلال اور عشرت ہی اس برے وقت میں ہر قدم پر ان کے ساتھ تھے۔ نہی کے ڈبوں سے ہی ایک کمرہ بھر گیا جس میں اس کا سامان بند تھا۔ چونکہ نشاط نے گھر دیکھا تھا سو اتنا ہی ضروری سامان ساتھ لیا تھا جو یہاں سما سکتا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح دانیال اور مائرہ کے شور سے آنکھ کھلی تو پتا چلا ان کا یہاں اسکول میں داخلہ ہو چکا ہے۔

''انہیں اسکول ہی چھوڑ آؤ، پہلا دن ہے بچوں کا۔''

''آپ ہی چھوڑ آئیں، مجھے یہاں کا کچھ نہیں معلوم۔'' اس نے قصداً بچوں کی طرف دیکھے بنا کروٹ بدل کے تکیہ سر پر رکھ لیا۔

''میں تو یہاں برسوں کی رہائشی ہوں۔'' انہوں نے جل کے کہا لیکن اس سے بحث کرنے یا اسے منانے کا وقت نہیں تھا۔

اسکول سے لینے بھی وہ ہی گئیں۔ وہ بے حس ہوگئی تھی۔ بچوں کی صورتیں اتری ہوئی تھیں۔

''بالکل اچھا نہیں ہے اسکول۔'' اسی جواب کی امید تھی جو اس نے پوچھا نہیں تھا لیکن مائرہ خود ہی کہہ کر رونے لگی۔ دانیال بھی دور روہانسا سا کھڑا تھا۔

مائرہ روتے ہوئے ساری برائیاں انگلیوں پر گنوا رہی تھی۔

''بیٹا کچھ دن میں نئے فرینڈز بن جائیں گے نا تو پھر اچھا لگے گا۔'' نشاط نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بہلایا۔ دانیال چپ تھا۔ سب ہی عرش سے فرش پر آئے تھے۔ بچے باقی وقت چھوٹی چھوٹی باتوں پر چڑ کر، چیخ کر غصہ نکالتے رہے۔

اتوار کو عشرت اور بلال چلے آئے۔ بلال دونوں بچوں کو لے کر باہر چلا گیا۔ واپسی میں ان کے پاس اگلے دن اسکول کے لنچ کے لیے مفن اور چپس تھے۔

''آپی اس اسکول میں چپس، چاکلیٹ کرکرے سب الاوڈ ہے۔'' مائرہ نے خوشی خوشی بتایا۔ ان کی پہلی اسکول میں لنچ میں چپس اور کرکرے کی اجازت نہیں تھی۔

"اچھا۔" اسے خوش دیکھ کر وہ بھی مسکرائی۔

"تم خوش نہیں؟" اس نے چپ سے دانیال کے بالوں میں انگلیاں پھیری۔

"اب جب تک میں بڑا نہیں ہو جاتا، ہم غریب ہی رہیں گے۔" اس کی بات سن کے وہ دھک سے رہ گئی۔

"ہم غریب تو نہیں۔ یہ تو بس۔" اس نے معصوم کو بہلانا چاہا۔

"نہیں آپی۔!" وہ سنجیدہ تھا۔ "یہ بری بات نہیں ہے۔ بس ہمارے پاس پیسے کم ہیں، دادو اور آپ تو ہیں ساتھ اور پیسے میں بڑا ہو کے لے آؤں گا۔"

"بہت سارا پڑھنے کے بعد!" مائرہ نے ٹکڑا جوڑا۔

"یہ سب تم سے کس نے کہا؟" ظاہر تھا، وہ اتنے چھوٹے بچے خود سے یہ سب نہیں سوچ سکتے تھے۔

"بلال انکل نے۔" مائرہ نے جواب دیا۔

"غریب۔ ہونہہ۔ اسے تو خوشی ہی ہوگی ہم اس جیسے جو ہو گئے ہیں۔" اس نے سوچا۔ جب سے اس کی گاڑی دیکھی تھی اسے لگنے لگا تھا وہ جان بوجھ کر انہیں جتا اور دکھا رہا ہے۔

"لیکن اب وہ غریب کہاں!" وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوگئی۔

اسے ہمیشہ کی طرح اس پر غصہ ہی آ رہا تھا۔ اگر نشاط نہ روک ٹوک کرتیں تو وہ صاف اسے آنے جانے سے منع کر دیتی کہ وہ ان کی زندگی میں دخل اندازی نہ کرے جس سے اسے تسکین مل رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے کئی دن اس کی روش یہ ہی تھی اٹھ کے کھانا بنا دیتی اور سارا دن ہال میں صوفے پر پڑی رہتی۔ بچوں کو اسکول سے لانا لے جانا بھی نشاط ہی کر رہی تھیں۔ اس کے دل و ذہن پر جمود سا طاری تھا۔ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ بھی فرار ہی تھا کہ وہ گھر سے نکلتی تھی نہ گھر کے معاملات میں دلچسپی لیتی تھی کہ اسے علم تھا اس کے پاس کسی کا حل نہیں ہے، نہ سب کچھ ہمیشہ ایسے ہی چلتا رہے گا یہ قبول کرنے کی ہمت۔ ہمیشہ فوراً جواب دینے والی دوستیں اب اس کا فون بھی نہیں اٹھاتی تھیں۔ اسے وہ دن یاد آتے جب ہر شاپنگ اور آؤٹنگ کے آخر میں کھانا، کافی سب کچھ اس کی طرف سے ہوتا تھا۔

وہ بچوں کو پڑھا لیتی مگر اسکول اور دوستوں کے بارے میں بات نہیں کرتی تھی۔ اسے اندازہ تھا انہیں یہاں کچھ پسند نہیں آتا ہے۔ بچے اکثر باتوں میں بلال انکل کا ذکر کرنے لگے تھے جو ان کا برین واش کر رہا تھا۔ وہ جیسے کسی کہانی کی طرح اس سے یہ نیا منظر سمجھ رہے تھے۔ وہ ہوں ہاں کر کے سن لیتی کہ انہیں منع نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا ذکر مجھ سے نہ کیا کرو۔

☆☆☆

نشاط تھکی سی بچوں کو لے کر اندر آئیں اور صوفے پر ڈھے گئیں۔ وہ ان کے لیے پانی لے آئی۔

"دادو آپ کب تک یہ سیم ٹفن دیں گی؟" انہوں نے دونوں سے ٹفن نکال کر باہر رکھنے کو کہا تو دانیال نے پوچھا۔

"اتنی بھوک لگتی ہے اور سبزی روٹی یا آملیٹ مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"مجھے بھی اچھا نہیں لگتا دادو۔" مائرہ بھی احتجاج میں شامل ہوئی۔

"اچھا۔ کل سے میں رولز یا پراٹھے بنا دیا کروں گی۔" اس نے دونوں کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"مجھے یہ سبزی اور رولز نہیں چاہئیں۔ مجھے پہلے جیسے نگٹس اور چکن سینڈوچ چاہئیں۔" دانیال آج ضدی ہو رہا تھا۔

"بھائی! مما اور ڈیڈی مر گئے ہیں۔" نشاط اور نُہیٰ ساکت ہو گئے۔

"اور پیسے ان کے آفس سے آتے تھے۔"

digest library.com

دانیال بھی ایک دم تھم گیا تھا۔ مائرہ کا فقرہ سب کے دل کو ٹھاہ کرے لگا اور آر پار چھید کر گیا۔

نشاط سے ضبط نہیں ہوا اور وہ رونے لگیں۔ انہوں نے بانہیں پھیلائیں، پہلے مائرہ ان کے سینے سے جا لگی پھر دھیرے سے چلتا دانیال بھی ان کے بازوؤں میں سما گیا۔ ان کی سسکیاں سارے گھر میں گونجنے لگیں۔

وہ سست قدموں سے اندر کمرے میں چلی آئی۔ سامنے ایک دوسرے کے اوپر ڈبے رکھے تھے جن میں بند سامان اس کے بھائی کی کمائی سے تھا لیکن اندر مادی چیزیں اور پیسے نہیں بھائی کی محبت تھی۔ ان کی عمروں میں اتنا فرق تھا کہ وہ انہیں اولاد کی طرح عزیز تھی اور عبدالمنان کے بعد تو واقعی وہ اس کے باپ ہی بن گئے تھے۔ ایسے مشفق بھائی کی اولاد کو اس نے کس حال میں چھوڑ رکھا تھا؟ ان نے قصداً اپنے گرد بے حسی اور بے خبری کی دیوار کھڑی کر لی تھی۔ وہ خود سے ہی ڈرامہ کر رہی تھی کہ اسے تو کچھ علم ہی نہیں تو وہ حل کیا سوچے! اتنے دنوں سے وہ دونوں بچوں کا رونا دھونا شکایتیں، اداسی، جھنجھلاہٹ سب دیکھ رہی تھی پھر بھی ان سے فاصلہ بنائے رکھا تھا۔

''اور ڈیڈی کی بہن زندہ ہوتے ہوئے مر گئی!'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

کچھ دیر وہ پلنگ پر بیٹھی ان ڈبوں کو گھورتی رہی پھر ایک گہرا سانس لے کر اٹھی اور سارے ڈبے کھول ڈالے۔ اگلے تین چار گھنٹے وہ مصروف رہی۔ نشاط نے اسے اس کے جوتے، پرس اور کپڑوں سے الجھے دیکھا تو اس کی بے حسی پر غصہ دباتے ہوئے بچوں کے ساتھ کھانا کھا کے ان کے ساتھ ہال میں لیٹ گئیں۔

''دانی، مارو!'' جب وہ باہر نکلی تو دونوں کو آواز لگائی۔

اتنے دنوں بعد اس کی ایسی پر جوش آواز سن کر نشاط اور بچے چونک گئے۔

''چلو۔ کل تمہارے ٹفن میں نگٹس کی تیاری کرتے ہیں۔'' اس کے ایک ہاتھ میں بڑی سی تھیلی تھی، دوسرے سے اس نے مائرہ کا ہاتھ تھاما۔ وہ اچھلتے کودتے اس کے ساتھ ہو لیے۔

اس نے اپنا سارا سامان آن لائن 'پری لووڈ' اور 'تھرفٹ اسٹور' پر اپ لوڈ کر دیا تھا۔ وہ ایسے کئی پیجز اور گروپس کو پہلے سے جانتی تھی لیکن فی الحال یہ کام اس نے اپنا اصل نام چھپا کے کیا کہ یہاں اس کی ساری دوستیں بھی موجود تھیں۔ اتفاق تھا کہ اس کا ایک پرس اور ایک جوتا کسی نے خرید بھی لیا تھا۔ اب تک انجان علاقہ، کچھ نہیں پتا کہ گھر میں بند رہنے والی وہ، پیسے، ملتے ہی دونوں چیزیں کوریئر کرنے نکل گئی تھی۔

اگلے دو تین ہفتے وہ یہ ہی کرتی رہی اور اس کے سارے ڈبے خالی ہو گئے۔ اس نے ایسا سب سامان بیچ ڈالا جو بیچا جا سکتا تھا۔ کمرہ بھی خالی ہو گیا تھا اتنے دنوں میں پہلی بار دانیال اور مائرہ خوش تھے کہ اب ان کے ٹفن میں انہیں ان کی پسند اور فرمائش کی چیزیں ملنے لگی تھیں لیکن پیسے ختم ہو رہے تھے۔ اس نے اس دوران پہلی بار کمانے کا سوچا۔

اس غرض سے جہاں بھی رابطہ کرتی، اس کے آخری سال کا نتیجہ نہ ہونا رکاوٹ بن رہا تھا۔

''کاش میں نے دو پیپرز دے دیے ہوتے!''

اس نے کبھی ٹرین کا سفر نہیں کیا تھا۔ رکشہ یا ٹیکسی سے آتی جاتی تھی اگر کبھی ناگزیر ہو جائے تو بھی وہ بس میں چڑھ جاتی لیکن ٹرین میں نہیں۔ بھیڑ دیکھ کر ہی اس پر گھبراہٹ سوار ہو جاتی تھی۔ اس کا مذاق بھی بنتا تھا کہ اس شہر میں رہتے ہوئے وہ ٹرین کی عادی نہیں لیکن اب یہاں سے شہر جانے کے لیے ٹرین ہی ذریعہ تھی۔

اس نے پہلی بار ٹرینوں کے اوقات اور تفصیل دیکھنے کے لیے ایپ ڈاؤن لوڈ کیا تھا۔ وہ بڑے جوش میں نشاط سے کہہ کر نکلی تھی کہ ایک جگہ انٹرویو کے لیے جا رہی ہے۔ وہ 'واک اِن' انٹرویو تھا اور روزگار کی

تلاش میں اس کے تجربے کی شروعات بھی۔
پہلی سیڑھی پر ہی اس کی ایسی ہمت ٹوٹی کہ وہ اسٹیشن پر بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔ اسے خود پر بھروسا تھا۔ وہ پراعتماد تھی کہ شستہ انگریزی، خوبصورت لب و لہجہ اور شخصیت کا رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ تعلیمی لیاقت کی کمی نظر انداز ہو جائے گی لیکن وہ تو ایک جم غفیر کا حصہ تھی۔ جہاں وہ سب یکساں تھے۔ اس کا 'ببل' ٹوٹ گیا تھا۔
پھر وہ مختلف دفاتر کے 'ایچ آر' شعبوں میں جا جا کے تھک گئی۔ ہر جگہ اس کی ادھوری ڈگری رد ہونے کی سب سے بڑی وجہ بنتی۔ ایسے ہی ایک جگہ ایک رحم دل خاتون نے اسے مشورہ دیا کہ وہ آفس جاب کی تلاش چھوڑ کے دوسری جگہوں پر کوشش کرے جہاں تعلیمی لیاقت یا سند لازمی نہیں ہوتی۔
لقمن کے لوازمات آہستہ آہستہ پھر اسی طرف لوٹ رہے تھے جہاں مائرہ کی زبان سے وہ لفظ ادا ہوئے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح وہ نوکری حاصل کرے۔ نشاط بھی پر امید تھیں۔ بیٹی کا بالآخر گھر میں دلچسپی لینا ان کا حوصلہ بڑھا گیا تھا۔ وہ روز اس سے پوچھتیں کیا بنا پھر اس کی ہمت بندھا تیں۔
''ان شاء اللہ جلد مل جائے گی۔'' تو اس کی بے تابی اور بڑھ جاتی۔
وہ ایک دن پھر امیدوں کو پرس میں رکھے نکلی۔ آج اسے ٹرین میں بیٹھنے کے لیے جگہ مل گئی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھی دو عورتوں کی گفتگو نے اچانک ہی اسے متوجہ کر لیا۔
''وہاں بیٹھنے کا ٹائم نہیں ملتا، کسٹمر بہت ہوتے ہیں اسی لیے تو پگار (تنخواہ) بھی زیادہ ہے۔''
ایک ادھیڑ عمر کی خاتون اس نوجوان لڑکی سے کہہ رہی تھیں۔
''وہ ینگ لڑکیوں کو ہی رکھتے ہیں، کسٹمر بھی ینگ ہوتے ہیں اس لیے۔ اور یہ تیرے رستے میں پڑتا ہے، اسٹیشن اتر کے نزدیک ہی ہے مال۔''
''مجھے نمبر اور ایڈریس دیں۔'' لڑکی نے اپنا فون نکالا اور نہیٰ نے ہاتھ میں اپنے فون کو دیکھا۔
''تو پکا جا کل بلکہ آج ہی جا، وہ رکھ لیں گے۔''
وہ آگے فون نمبر اور ایڈریس بتا رہی تھی۔
''آج تو نہیں کل جاتی ہوں۔''
وہ دونوں تو نہیں اتریں لیکن تیسرے اسٹیشن پر نہیٰ اتر گئی۔ مال کا پتا نہیں کا تھا جو اس نے فون میں محفوظ کر لیا تھا۔
اس وقت وہ کسی بھی طرح کوئی کام چاہتی تھی جو بدلے میں اسے روپیہ دیتا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے گرد بے خبری اور بے حسی کی دیوار کھڑی کر لی تھی لیکن مقصد اس دفعہ مختلف تھا۔

☆☆☆

واقعی انہیں ضرورت تھی یا یہ قسمت مہربان ہوئی تھی جو انہوں نے اگلے دن سے کام پر آنے کہا۔ کچھ گھنٹے اسے وہاں گزارنے پڑے۔ اسے کام سمجھایا گیا جو اس نے آنسو پی کر سنا اور سمجھا۔ ضروری کاغذات کے بعد اسے شناختی کارڈ بنا کر دے دیا گیا۔
وہ خوش نہیں ہو پا رہی تھی بلکہ وہ شرمندہ تھی، خود سے ہی ناراض لیکن گھر پہنچ کر اس نے سب کو خوش خبری سنائی کہ اسے کام مل گیا ہے اور کل سے وہ 'آفس' جائے گی۔
جتنا آسان اس نے سمجھا تھا، یہ ویسا سہل نہیں تھا۔ آٹھ گھنٹے مسلسل کھڑے رہنا اسے تھکا دیتا تھا پھر اب مقام بدل چکا تھا۔ وہ دوسری طرف تھی اور سامنے اسی کی طرح لاابالی، اپنے آپ کو خاص سمجھنے والی کچھ امارت پہ مغرور تو کچھ حسن پر نازاں لڑکیاں تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ وہ نوجوانوں کے لیے مخصوص سب سے مشہور برینڈ کی آؤٹ لیٹ تھی جہاں تواتر سے لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ اسے ملازمت بھی اسی وجہ سے ملی تھی کہ وہ مصروف جگہ تھی ورنہ ایجنسی فوراً بھی کام پر نہ رکھتی۔ آج وہ خواتین کے 'اینڈو ویسٹرن سیکشن' میں تھی۔ وہاں اکثریت اسی کی عمر کی کالج یونیورسٹی جانے والی لڑکیاں یا پھر ملازمت پیشہ

digest.library.com

لڑکیاں آتی تھیں۔ انہیں قہقہے لگاتے، ناموجود دوستوں پر تبصرے کرتے، اچھے برے اِن اینڈ آؤٹ ٹرینڈ پر رائے دیتے دیکھتی تو گزرا وقت اداسی بن کے آنکھوں میں ٹھہر جاتا تھا۔ ایسی بے فکری کتنی بڑی نعمت ہے اسے نعمت چھن جانے کے بعد احساس تھا۔

اب اسے پتا چل رہا تھا، وہ جو درست سائز کی تلاش میں کپڑے کھول کے بکھرا کے آگے بڑھ جاتی تھی یا 'ٹرائل روم' میں کپڑوں کا ڈھیر لگا کے باہر نکلتی تھی تو اس کے پیچھے کوئی اسے کوستے ہوئے انہیں دوبارہ ترتیب سے لگاتا ہوگا۔ 'ونڈو شاپنگ' کرنے والوں کی بھی کمی نہ تھی جو محض 'ٹرائل روم' کی سیلفی کے لیے وہاں آتے تھے جسے انہیں انسٹا پر پوسٹ کرنا ہوتا۔

وقت اسے انہیں گلیوں اور راستوں پر برہنہ پا دوڑا رہا تھا جس پر کبھی وہ سبک خرامی سے اترا کے چلتی آئی تھی۔

ان دو لڑکیوں کو ان کا سائز نکال کر دینے کے بعد وہ دور ہو کے کنارے کھڑی ہوئی تو سامنے اس کی سہیلیاں اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وہ بے اختیار جھٹ سے پلٹ گئی۔ وہ اسے یہاں، اس یونیفارم میں دیکھ لیں تو۔

نہیں ان کی آنکھوں میں تمسخر دیکھنے کی ذلت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے پاس موجود دوسری لڑکی سے متلی کی شکایت اور الٹی کا اندیشہ ظاہر کیا اور رکے بنا 'ومنز روم' میں آگئی۔ وہ بھی خالی نہیں تھا۔ اسے 'پاؤڈر روم' یونہی تو نہیں کہا جاتا! جو چار پانچ وہاں موجود تھیں، وہ ٹچ اپ، میک اپ، پن اپ اور سیلفی میں مصروف تھیں۔ اس نے 'کیوبکل' کا دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔

''یہاں کب تک رہوں گی۔'' اب اسے اس جلد بازی اور اضطراری حرکت کے غلط ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

''لیکن میں کیسے ان کا سامنا کرتی؟'' وہ صورت حال بھی تو صحیح نہ ہوتی۔ اس کے کان باہر کی آوازوں پر لگے تھے۔ کوئی باہر گیا تو دو نئی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

''اور اگر وہ بھی ادھر آگئیں تو؟'' اسے ایک دم پسینہ آنے لگا۔ تنہا ذلت جھیلنا اور کسی اور کے سامنے ذلیل ہونے میں جینے مرنے کا فرق تھا۔ دونوں ہتھیلیوں پر سر گرائے وہ جانے کتنی دیر یونہیں بیٹھی رہی کہ اچانک باہر کے سناٹے پر چونک گئی۔ کلائی پر وقت دیکھا تو جھٹ اٹھ کھڑی ہوئی بہت دیر ہو گئی تھی۔

باہر آئی تو پتا چلا اسے ابھی ایسے یا ویسے، جینے کے لیے ذلیل ہوتے رہنا تھا۔ ادھر اس کی غیر حاضری میں دنیا بدل گئی تھی۔

وہاں اس کی غیر موجودگی میں جم غفیر امڈ پڑا تھا اور جسے وہ بتا کر گئی تھی، اس نے انچارج کے آگے منہ نہیں کھولا تھا۔ اس کی اس غیر ذمہ داری اور 'ان پروفیشنلزم' کے بنا پر اسے اگلے دن آنے سے منع کر دیا گیا اور اسی وقت منہ بند رکھنے والی کی کزن کو اگلے دن سے آنے کا کہا گیا۔

'چینجنگ روم' میں یونیفارم تبدیل کرتے ہوئے وہ رو رہی تھی۔ کس کس بات کے آنسو تھے، شمار مشکل تھا۔ اس نے بھی کسی کی جگہ ہتھیائی تھی کسی اور نے اس کی! یہ زنجیر اس وقت ٹوٹتی ہے جب مجبوریوں، ضرورتوں اور خواہشوں کے ساتھ ساتھ کسی میں ظرف اور اخلاق بھی موجود ہو۔

وہ بیگ کاندھے پر لٹکائے مال سے باہر نکلی تو پیدل ہی اسٹیشن کی سمت چل پڑی۔ بس اور رکشہ میں رونے سے بہتر تھا، وہ چلتے چلتے آنسو بہائی۔ اس وقت ٹرینیں نسبتاً خالی تھیں۔ یہ بھی اس شہر کی مخصوص اصطلاح تھی۔ جب بھیڑ اتنی نہ ہو کہ تل رکھنے کی بھی جگہ نہ بنے تو اسے خالی ٹرین کہتے ہیں۔

''اب کیا کروں؟'' اس کے سامنے پھر وہی سوال تھا۔ اتنے دنوں کی بھاگ دوڑ کے بعد اسے کام ملا تھا اب پھر وہی تلاش اور ناکامی۔

"کاش میں نے لاسٹ ایئر کمپلیٹ کرلیا ہوتا!
"یہ ملال جانے دن میں کتنی بار اسے افسردہ کرتا تھا۔
وہ فون ہاتھ میں لیے دوستوں کے محفوظ نمبرز دیکھنے لگی۔ کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ مدد کا کہتی۔ اسکرول کرتے کرتے وہ شگفتہ کے نام پر ٹھہر گئی۔ اسے تو علم بھی نہیں تھا کہ یہ فون نمبر ہے اس کے پاس۔ اسے حیرت ہوئی۔ جسے کبھی درخور اعتنا نہ سمجھا، آج اسی کے بارے میں لگ رہا تھا کہ وہ سنجیدگی سے اس کی بات سن کر مدد کی کوشش کرے گی۔ اس نے واٹس ایپ کھولا۔
"السلام علیکم۔" اس نے لکھا۔
"آج سے پہلے میں نے کبھی میسج نہیں کیا، اب سیدھا کام کی بات کرتے اچھا نہیں لگے گا۔" وہ رک گئی۔
"انسان ضرورت مند، بے بس، مجبور ہو تو مطلبی اور بے شرم بھی بننا ہی پڑتا ہے۔" اس نے اگلا جملہ لکھنا شروع کیا۔
"میں وئی شفٹ ہوگئی ہوں تمہیں شاید پتا ہو۔" وہ پھر رک گئی۔
"اپنا کام نکالنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو ہمیشہ برا کیوں سمجھا جاتا ہے؟ سب کے لیے نہ سہی مگر کچھ کے لیے یہ آسان تو نہیں تھا، وہ کتنی لاشوں سے گزر کے یہ کر پاتے ہیں، کوئی نہیں جانتا۔"
اس کی آنکھوں میں نمکین پانی آن رکا تھا۔ اسے ٹرین کی وہ گفتگو اور اپنی حرکت نہیں بھولتی تھی اور اب یہ جسے کبھی گھاس نہیں ڈالی آج اسی سے مدد مانگنا پڑ رہی تھی کہ امید بر آنے کی توقع اسی سے تھی۔
"میں گھر کو سپورٹ کرنے کے لیے کچھ ارننگ کرنا چاہتی ہوں، میری کوئی مدد کر سکتی ہو تو پلیز بتانا۔" وہ سوچنے کے لیے رکی نہیں اور پیغام بھیج دیا۔
فون بند کر کے اس نے پیچھے سر ٹکا دیا۔ ابھی وہ گاری گاؤں ہی پہنچی تھی کہ شگفتہ کی کال آگئی۔ اس نے سوچے سمجھے بنا جھٹ اٹھالی۔
"ہیلو۔ کیسی ہو؟" اس نے کچھ ندامت سے پوچھا۔ اس نے امی اور بچوں کا پوچھنے کے بعد اچھی خبر سنائی۔
"میری کزن ایک جگہ ہوم ٹیوشن کو جاتی تھی، اب شادی کی تیاریوں کی وجہ سے چھوڑ رہی ہے، دو بچے ہیں، فورتھ اور سکستھ کے۔ میں نے زلیخا آپی سے بات کرلی ہے انہوں نے کہا ہے، تمہیں ایڈریس اور فون نمبر دے دوں۔ وہ آج تمہارے بارے میں بات کرلیں گی، تم کل صبح انہیں کال کرلینا۔" اسے ایک دم رونا آگیا۔
اس نے اپنی کزن سے ضرور یہ کہا ہوگا کہ اس کی سہیلی کو ضرورت ہے جب کہ اس نے کبھی شگفتہ کو اپنی دوستوں میں شمار نہیں کیا تھا۔
"تھینک یو۔" اس کی آواز روہانسی تھی۔
"تھینک یو ویری مچ شگفتہ۔" اس نے خود کو سنبھالا۔
"اس میں شکریہ کیسا تم نے بالکل صحیح وقت میسج پر کیا۔"
اتنا شکر تھا کہ اس نے جتنے دن کام کیا تھا اس کی اجرت ملی تھی۔ گھر جاتے ہوئے وہ بچوں کے لیے آئس کریم لے گئی۔ یہ ننھی منی خوشیاں اور سوغاتیں اتنی اہم ہو جائیں گی، کس نے سوچا تھا۔ اسراف والے کفایت سیکھ رہے تھے۔
اگلے دن وہ بے صبری سے نو بجنے کا انتظار کرتی رہی۔ اس سے پہلے فون کرنا مناسب بھی نہیں لگ رہا تھا۔ فون کیا تو انہوں نے اسے گھر آنے کو کہا۔ وہ دادر میں رہتی تھیں۔ اسے نہیں پتا تھا اسٹیشن پر اتر کر ان کے گھر تک کیسے جائے گی۔ اس نے فون میں ایک گھنٹہ لگا کے سب سمجھا اور پھر گھر سے نکلی۔
وہ ایک متمول کلوزڈ گیٹ کمیونٹی تھی۔ چوکیدار نے اسے روک کر بلڈنگ نمبر اور فلیٹ نمبر پوچھا، پھر اس فلیٹ میں انٹرکام پر اس کا نام بتایا کہ یہ ملنے آئی ہیں۔ جب ادھر سے کہا گیا کہ بھیج دو تب اسے آگے بڑھنے کی اجازت ملی۔ کبھی انٹرکام کے دوسری طرف

digest library.com

وہ بھی ایسے ہی حکم دیتی تھی کہ آنے دیں اور اب خود کو ان سب سے گزرتے دیکھ کر اسے بے تحاشا رونا آ رہا تھا۔ اس کا دل کیا واپس پلٹ جائے لیکن اس نے خود کو گھسیٹا۔ پلٹ کر بھاگ جانا آسان تھا۔ لیکن وہ بچوں کی حسرتوں پر اپنی ماں کو ٹوٹتے بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے گھر والوں کے لیے مر نہیں سکتی تھی۔

تسنیم کوثر نے پہلا جملہ ہی یہ کہا کہ انہوں نے زلیخا کے کہنے پر اسے موقع دیا ہے، انہیں اس پر اعتبار ہے اور وہ نئے سرے سے شگفتہ کی مقروض ہوگئی۔ اسی وقت اس نے دل میں ٹھان لیا کہ شگفتہ اور زلیخا کو مایوس نہیں کرے گی۔

اسے دوسرے بچوں کو پڑھانے کا تجربہ نہیں تھا تاہم وہ دانیال اور مائرہ کو پڑھاتی رہی تھی۔ ترانہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے اسکول جانے کا وقت نہیں نکال پاتی تھی لہٰذا رزلٹ کا دن یا استادوں سے دیگر اہم ضروری ملاقاتیں، ہر موقعے پر اسکول میں وہ ہی حاضری لگاتی تھی، اس لیے اسے آج کل کے اسکول، استاد اور پڑھائی کے معمولات کا علم تھا۔

وہ بچے بھی ویسے ہی نامور اسکول میں پڑھتے تھے جس میں بھی دانیال اور مائرہ جاتے تھے۔ جہاں داخلہ، حصول علم سے زیادہ نام اور حیثیت کے تعین کے لیے ہوتا ہے۔

پہلا دن تھا سو آج وہ جلدی وہاں سے نکل گئی۔ وہ خوش ہونا چاہتی تھی لیکن دل پر وہی کئی دنوں سے چھائی اداسی قابض تھی۔

شام میں اچانک عشرت اور بلال چلے آئے۔

''آج کیسے؟ مطلب چھٹی تو نہیں ہے آج۔''

نشاط نے پوچھا، وہ عموماً ہفتہ یا اتوار کو آتے تھے جس دن بلال گھر پر ہوتا۔

''بلال نے چھٹی کی تھی آج۔ ابھی فری تھا تو میں نے کہا لے چلو بھابھی کی طرف۔''

انہیں پانی کا گلاس تھما کے اس نے دوسرا گلاس بلال کی سمت بڑھایا۔ اس نے لینے کے بجائے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ باورچی خانے میں آگئی۔ اب نشاط نے انہیں لازمی رات کے کھانے پر روکنا تھا۔ سب کے ساتھ بیٹھنے سے اچھا تھا وہ خود کو ادھر مصروف کر لیتی۔ وہ جو کبھی کبھی شوقیہ یا موڈ ہونے پر باورچی خانے میں گھستی تھی اب اکثر نشاط کو ہٹا کے خود کھڑی ہونے لگی تھی۔ اسے نئے انوکھے کھانے بنانا پسند تھا لیکن اب روز کے عام سے کھانے بنانے میں بھی مزہ آ رہا تھا۔

''بلال بچوں کو کھانے کے لیے باہر لے جا رہا ہے۔'' نشاط اندر آئیں، ان کے لہجے میں خوشی سی تھی۔

''تو کچھ ہلکا پھلکا ہی بنا لو ہم تینوں کے لیے۔''

''جی۔'' اس نے ہامی بھر لی۔

''یعنی اہتمام بلال کے لیے ضروری تھا۔'' اس نے سوچا لیکن پہلے والا اختطنہ ندارد تھا۔

''اسے تو مزا آتا ہوگا امی! ہمیں اس حال میں دیکھ کے، آپ پتا نہیں کیا سمجھ کے خوش ہوتی ہیں۔'' وہ پہلی بار اسے سوچتے ہوئے طیش میں نہیں آئی بلکہ اداسی سے کام میں لگی تھی۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ بلال اس لیے بچوں کو باہر لے جاتا ہے کہ اس کی صورت نہ دیکھنی پڑے، اس کی آواز نہ سننی پڑے ورنہ آتے ہوئے بچوں کی پسند کا کچھ لیتے آنا مشکل تو نہیں تھا۔

واپسی میں عشرت نے اسے خبر دی کہ نہا ٹیوشن پڑھانے لگی ہے۔

''وہ تو کہیں جاب کر رہی تھیں۔''

''وہ چھوٹ گئی تھی۔'' ماں کی بات پر ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر رینگ گئی۔

☆☆☆

بچوں کے اسکول کا وقت دوپہر کا تھا سو وہ صبح آتی تھی۔ تسنیم کوثر اچھی فطرت کی مالک تھیں۔ بہت زیادہ دوست پرور اور خلیق تھیں۔ ہمہ وقت ڈرائننگ روم میں کوئی نہ کوئی موجود ہوتا۔ وہ بچوں کے ساتھ ان کے کمرے میں ہوتی۔ اسے اگر دانیال اور مائرہ

کے ساتھ رہنے اور ان کے قریب ہونے کا تجربہ نہ ہوتا تو ان دو بچوں کو سنبھالنا بھی مشکل تھا۔
بچوں کی چھٹی تھی اس لیے آج وہ دیر سے آئی تھی۔ گھر کے قریب ہی تھی جب اسے تسنیم کوثر کا پیغام موصول ہوا کہ انہیں اچانک کسی رشتے دار کی وفات کی وجہ سے جانا پڑا ہے، بچے اکیلے ہیں۔ بچوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ پڑھائی کے دوران جب بار بار وہ بھوک کا نعرہ لگانے لگے تو وہ چاروناچار اٹھ کے ان کے ساتھ باورچی خانے میں آئی۔ آلو، گوبھی، گاجر اور مٹر کی مخلوط سبزی روٹی دیکھتے ہی ان دونوں نے کھانے سے منع کر دیا۔
"یہ نہیں چاہیے۔" دونوں نے اپنی پلیٹیں دور کر دیں۔
اسے تسنیم کوثر کو فون کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ دیر انہیں سبزی کے فوائد اور صحت کی اہمیت سنا کے قائل کرنے کی ناکام کوشش کے بعد اس نے دوپٹا اتار کے کرسی پر رکھا اور چولھا جلایا۔ روٹی میں آملیٹ کی پرت بچھا کے اس پر وہی پکی سبزی چل کے، ٹماٹر، پیاز، میونیز اور کیچ اپ کے ساتھ رکھی اور رول بنا کے ہلکا سا تل دیا۔ دونوں نے تعریفیں کرتے ہوئے خوشی خوشی کھا لیا۔
پیٹ بھرنے کے بعد ان کا دل پڑھائی میں لگا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ اس کے جانے سے پہلے ان کی کوئی رشتے دار گھر آ گئی تھی۔
اس نے جاتے ہوئے تسنیم کوثر کو میسج پر اپنے اضافی کام کی خبر وجہ سمیت دے دی تھی۔ اس وقت وہ کہاں جانتی تھی اس کی یہ حرکت اگلے دن کون سا گل کھلائے گی۔
تسنیم کوثر کی بات سن کے وہ ہونق سی انہیں دیکھے گئی۔
"ہوں۔؟" انہوں نے سوالیہ تاثرات کے ساتھ اسے متوجہ کیا تو وہ ہوش میں آئی۔
"ہم کئی مہینوں سے تنگ ہیں۔ پلیز۔ تم کہیں اور ٹیوشنز لیتی ہو؟ ٹائم کا مسئلہ ہے؟"
"نہیں۔" وہ پرسوچ سی ایک لفظ کہہ کے رک گئی۔ بچا ہوا رول کھانے کے بعد اور بچوں سے سننے کے بعد انہوں نے اسے گھر کے لیے کھانا بنانے کی پیشکش کی تھی۔ ان کی حالیہ باورچن کا کھانا کسی کو پسند نہیں تھا۔
"تمہیں ایک ہی وقت آنا ہوگا۔ ویسے بھی تم ٹیوشن کے لیے ساڑھے نو بجے آتی ہو، اس کے بعد یہیں دونوں وقت کا کھانا بنا کے جایا کرو۔"
"یہ اس مال والی جاب سے بہتر ہے تم تنگ کہلواؤ گی۔" اندر کوئی کہہ رہا تھا۔
آج کل تو اسے اپنے اندر کی آوازیں بھی اجنبی لگتی تھیں۔
"تم سوچ لو۔" اسے یونہی مستغرق دیکھ کے انہوں اسے وقت دیا۔
"لیکن جانے سے پہلے بتا دینا تاکہ میں کل پرانی کک کو منع کر دوں۔" اسے یہ فرنگی 'کک' ہی اتنا اچھا لگا کہ اس نے ہاں کہہ دی۔
"ٹھیک ہے۔" ٹیوشن سے کہیں زیادہ پیسے مل رہے تھے اور اس نے پھر خود کو 'کام تو کام ہوتا ہے والا' چورن دیا تھا۔
گھر آ کے اس نے نشاط کو مزید ٹیوشنز کا بتایا۔
"الحمدللہ۔" وہ خوش تھیں۔
"لیکن میں انہیں پکانے کا بھی تو کہہ سکتی تھی؟" اپنے جھوٹ پر وہ جز بز تھی۔ اسے نہیں پتا تھا سچ جان کر نشاط کا ردعمل کیا ہوگا۔ یہ کام کبھی ان کے 'معیار' کے مطابق گھر کے نوکر کرتے تھے اور بیٹی کا نوکر بن جانا انہیں کیسے اچھا لگ سکتا تھا۔
☆☆☆
جانے کدھر سے پھپھو کو ان کی یاد آ گئی۔ وہ اکیلی آئی تھیں۔ وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی رہی لیکن جب وہ مسلسل ان کی پرانی اور تازہ صورت حال کے فرق پر ہی بات کرتی رہیں تو وہ اٹھ کے بچوں کے پاس آ گئی۔
"باہر چلیں نا آپی۔" دانیال نے پاس آ کے

digest library.com

اس کا ہاتھ تھاما۔

"باہر کہاں؟"

"یہاں ایک پارک ہے۔ تھوڑا دور ہے، بلال انکل کے ساتھ گئے تھے، وہیں چلیں۔" وہ بچوں کو لے کر کہیں نکلی ہی نہیں تھی سوائے قریبی برگر کے اسٹال تک۔

ایک اتوار کا دن ہی وہ دوپہر سے گھر میں ہوتی کہ صبح تسنیم کوثر کے یہاں صرف کھانا بنا کے واپس آجاتی تھی۔ اس دن ٹیوشن کی چھٹی ہوتی تھی۔

"او کے۔ تم تیاری کرو چلتے ہیں۔" اس کا دل مچل اٹھا بچوں کے ساتھ باہر وقت گزارنے کے لیے۔ بچوں کو نشاط کی تاکید تھی کہ اسے آدھا دن ملتا ہے آرام کرنے کے لیے لہٰذا اسے تنگ نہ کیا جائے۔

وہ ہال میں آئی تو سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

"ضرورت کی کیا بات، میرے بھائی کا گھر ہے، رکھ لو۔" وہ امی کو نوٹ پکڑا رہی تھیں۔ آبدیدہ نشاط نے جب نوٹ مٹھی میں جکڑے تو آنسو چھلک پڑے تھے۔ ایک زخمی سا تبسم اس کے ہونٹوں پر ٹھہر گیا۔ زندگی بڑی فراخ دل تھی۔ سب سے بدترین اور ذلت آمیز لمحہ چننے کے لیے اسے کتنے متبادل دیے تھے!

وہ آگے بڑھی اور آہٹ پر پھپھو نے مڑ کے اسے دیکھا۔

"نمی! وہ تمہارا ونیلا لیمن اسفنج کیک بنا کے دینا ساتھ، جویریہ کب سے یاد کر رہی ہے۔ مجھے آتے وقت بہت جتایا کہ بنوا کے لے آنا۔" وہ فوراً کچھ بول نہ سکی۔ اس سے پہلے جویریہ نے ایسی تاکید کیوں نہ کی تھی؟

"ہاں کیوں نہیں بنا دے گی نمی۔" نشاط کے جملے اور انداز پر اس کا دل کیا، دروازہ کھول کے باہر چلی جائے۔ تب ہی مائرہ باہر آئی۔

"یہ والی فراک پہنوں یا یہ؟" اس کے دونوں ہاتھوں میں مختلف رنگوں کی پوشاکیں تھیں۔

"کیوں بیٹا۔ کہیں جا رہے ہو؟" انہوں نے نظریں نمی کی سمت کیں۔

"انہیں پارک لے جا رہی ہوں۔"

"ابھی؟" پھپھو نے پوچھا۔

"جی۔"

"لیکن بیٹا! میں تو کچھ دیر میں نکلوں گی۔ تمہارے پھوپھا نے اوبر پہلے سے بک کر دی ہے، تم کیک بنا دو تا کہ میں ساتھ لے جا سکوں۔"

"پھپھو ابھی ۔ میں ۔ دیر ہوئی تو اندھیرا ہو جائے گا پارک میں۔" ظاہر ہے کیک بنانا منٹوں کا کام نہیں تھا۔

"کل لے کر چلی جانا، یہیں تو ہے پارک۔ میں کہاں آؤں گی پھر اتنی دور۔"

"بیٹا! پھپھو اتنے پیار سے کہہ رہی ہیں تو پہلے کیک بنا دو۔" نشاط اٹھنے لگیں۔ "میں بچوں کو سمجھا دیتی ہوں۔"

"چلو کچھ دیر میں بھی ان کے ساتھ گزار لوں۔" پھپھو بھی اٹھ گئیں۔ دونوں اندر چلی گئیں اور وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ یہ پہلا موقع تھا جو پھپھو اس کے ڈھکے چھپے انکار کے باوجود اصرار کر رہی تھیں بلکہ ایسی فرمائش ہی پہلی بار ہوئی تھی، ورنہ اس کے دوٹوک اور صاف جواب دینے والے مزاج کی وجہ سے کوئی یہ ہمت کرتا ہی نہیں تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ہر لحاظ سے، ہر جگہ، اپنی مرضی کی مالک تھی۔

دروازے پر بجی اطلاعی گھنٹی پر وہ چونکی اور بھری آنکھیں رگڑتے ہوئے دروازے تک آئی۔

"اب کون آیا ہے؟" وہ دعا کر رہی تھی دروازے کے اس طرف کوئی اور رشتے دار نہ ہو لیکن دروازہ کھولتے ہی سامنے کھڑے بلال کو دیکھ کر کیک اور وہ نوٹ، یوں گڈمڈ ہوئے کہ پل بھر میں ساری دنیا گھوم گئی، منظر بدل گئے، مقام بدل گئے اور احساس بھی۔ کون سا منظر اور کون سا جملہ تھا جو پل بھر میں ذہن سے نور کی رفتار سے نہ گزرا ہو۔

وہ سرخ آنکھوں سے اسے یک ٹک دیکھ رہی

تھی اسے یہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ بلال کے چہرے پر کس قدر شدید ناگواری پھیلی ہے۔

ذرا دیر والا منظر اسے اپنی کم مائیگی اور کم حیثیتی کا احساس کرا گیا تھا لیکن اس لمحے سامنے کھڑا بلال اسے بے حد بدصورت بنا گیا۔ اسے لگا اس کے اندر کی سیاہی چہرے پر پھیل رہی ہے۔ اس نے شرمندگی سے پلکیں جھپکیں۔

''میں اندر جا سکتا ہوں؟'' بلال نے رکھائی سے کہا۔ وہ کچھ کہے بنا تیزی سے پلٹ کے باورچی خانے میں آ گئی۔

آج پھپھو کا رویہ اس سے ہی نہیں بلال سے بھی بدلا تھا۔ وہ جس عزت اور احتیاط سے اس سے بات کر رہی تھیں اس پر وہ حیرت سے مر جاتی، اگر کچھ دیر پہلے پھپھو نے اس کے ساتھ رویہ نہ بدلا ہوتا۔ یہاں کچھ ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ لوگ، حالات، وقت، رویے سب تغیر کے ساتھی ہیں۔ وہ خود اس کی مثال تھی۔

جویریہ کے لیے ونیلا لیمن اسفنج کیک بناتے ہوئے، اس کے اجزائے ترکیبی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ آج ان میں نمی کے آنسو بھی شامل تھے۔

☆☆☆

لوکل ٹرین میں سفر کرنا ایک آرٹ ہے اور ویسٹرن لائن پر 'رش آور' میں سفر کرنے والے اس آرٹ کے ماہرین کہ وہ شہر کی سب سے مصروف اور پرہجوم لائن ہے۔ وہ بھی دھیرے دھیرے یہ آرٹ سیکھ رہی تھی۔

اب وہ پرس نہیں بیک پیک استعمال کرتی تھی۔ اس کا بیگ پشت کے بجائے آگے سینے سے لگا ہوتا تھا۔ وہ ٹرین رکتے ہی دروازے کے دائیں یا بائیں ہوتی تھی۔ درمیان سے اندر جانے کی کوشش اب نہیں کرتی تھی۔

اب وہ عورتوں کے دھکوں سے کمپارٹمنٹ میں آگے نہیں بڑھتی تھی بلکہ چڑھتے ہی دروازے کے قریب سائیڈ میں لگ کر کھڑی ہو جاتی کہ اسے آج تک صبح، اتنی خالی ٹرین ملی ہی نہیں تھی جس میں بیٹھنے کی جگہ خالی ہوتی جس کے لیے اسے اندر جانا پڑتا۔ اس نے دیکھا تھا کہ اتنی بھیڑ میں بھی عورتیں چڑھتے ہی اندر کی طرف راستہ بناتے ہوئے نشستوں پر بیٹھی عورتوں سے باری باری کبھی ہندی میں 'کہاں؟' تو کبھی مراٹھی میں 'کوٹھے اترنار' (کہاں اترے گے) پوچھتی تھیں اور آنے والے قریبی اسٹیشن پر اترنے والی کا نشست پوچھنے والی کو دینے کا زبانی معاہدہ ہو جاتا۔

پھر اس کے بعد وہ جگہ ہر حال میں اسی کی ہوتی۔ ان 'اَن آفیشل' اصولوں پر سب ہی عمل کرتے ہیں۔ کبھی کبھار ایک آدھ ہٹ دھرم اور ضدی بھی مل ہی جاتی تھی جو ایسی پہلے سے طے شدہ معاملے کے باوجود، اس جگہ پر بیٹھ کر اندھی بہری بن جاتی۔ اگر دوسری بھی اس کی ہم قبیلہ ہو تو پھر سارے ڈبے میں کچھ کی تفریح اور چند کی کوفت کا سامان ہو جاتا۔

جب وہ کم تجربہ کار تھی تو اس کے پیچھے سوار ہونے والی عورتوں کے دھکے، اسے اندر پہنچا دیتے تھے اور پھر اپنے مطلوبہ اسٹیشن پر وہاں سے دروازے تک آنا ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی سر کرنے سے زیادہ مشکل تھا۔ کئی بار وہ اپنے اسٹیشن پر اتر نہیں سکی تھی۔ چالیس سیکنڈز میں چڑھنے اور اترنے والوں کی بھیڑ میں وہ پھنسی رہ جاتی تھی لیکن اب اس نے لوکل ٹرین کے مسافروں کے قائم کردہ غیر تحریر شدہ رائج اصول سیکھ لیے تھے۔ پہلے اسے فاسٹ اور سلو کی تفریق بھی نہیں معلوم تھی۔ فاسٹ جو بڑے اور خاص اسٹیشن پر ہی رکتی تھی اور سلو ہر اسٹیشن پر۔ اب وہ انڈیکیٹر پر لگا 'ایس' اور 'ایف' بھی غور سے دیکھتی تھی۔

اب وہ صبح نکلتی تو شام سے پہلے گھر واپس ہوتی تھی۔ گھر میں اس کی آمدنی سے حالات کچھ تو بہتر ہوئے تھے بچوں کی چھوٹی موٹی فرمائشیں پوری ہونے لگیں تو ان کے مزاج پر بھی خوش گوار اثر ہو رہا تھا۔ اسکول کے لیے بس لگوا دی تھی۔ بلال اور عشرت

digest library.com

کی آمد پر اس نے غور کیا تھا کہ بچے بلال کے بڑے فرماں بردار ہو گئے تھے۔ اس کی بات غور سے سنتے تھے۔

بات وہ دونوں اب بھی نہیں کرتے تھے نہ ایک دوسرے کی سمت دیکھتے تھے، تاہم وہ اب اسے سننے لگی تھی۔

☆☆☆

شام وہ گھر پہنچی تو اندر داخل ہوتے ہی ماحول میں کشیدگی محسوس ہوئی۔ بچے چہک نہیں رہے تھے۔ نشاط بھی مضمحل تھیں۔

ذرا دیر بعد پوچھنے پر نشاط نے بتایا کہ دانیال کو کراٹے سیکھنا ہے۔ اسکول کا اکلوتا دوست جس کراٹے کلاس سے سیکھ رہا ہے اسے بھی وہاں داخلہ لینا ہے اور ان کے نہ کہنے کے بعد سے وہ روتا رہا ہے۔ اسے حیرانی ہوئی۔ مائرہ کے مقابلے میں وہ سمجھ داری کا مظاہرہ کرتا تھا۔ جب اس نے اس بابت پوچھا تو اس کے انداز میں ضد تھی کہ تھا تو وہ آخر بچہ ہی۔

''ہم پہلے کتنی کلاسز میں جاتے تھے ابھی تو میں صرف کراٹے کلاس کا کہہ رہا ہوں۔''

اس نے خود من مرضی اور ہٹ دھرمی والی زندگی گزاری تھی سو ایسی صورت حال میں اسے بچوں کو سمجھانا بہلانا بھی نہیں آتا تھا۔

''آپ لنچ میں ایک دن ہی نگٹس اور چکن سینڈوچ دیں، لیکن مجھے کراٹے کلاس جانے دیں۔''

اس کا منہ پھولا اور لہجہ اٹل سا تھا۔ نہی دل مسوس کے رہ گئی۔ بچے بھی کمی بیشی کی مساوات سیکھ گئے تھے۔

''اچھا۔ کچھ دن رک جاؤ پھر میں۔''

''نیکسٹ منتھ سے؟'' وہ ایک دم خوش ہو گیا۔

''ہوں۔'' اسے خوش دیکھ کر خود بخود اس کے لب مسکرا اٹھے۔

''پرامس؟'' اس نے چھوٹی انگلی سامنے کی۔

''پرامس۔'' اس کی انگلی میں اپنی انگلی پھنساتے ہوئے وہ ہنس دی۔

کھانے کے بعد اچانک نشاط کی طبیعت بگڑ گئی۔ اس کے تو ہاتھ پیر پھول گئے، بچے الگ رونے لگے۔ کسی طرح بچوں کو گھر چھوڑ کے وہ نشاط کو لیے قریبی کلینک بھاگی۔ ان کا بی پی خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا۔ ڈاکٹر کے سوال جواب میں اسے پتا چلا ہفتہ بھر سے وہ بی پی کی دوائیاں نہیں لے رہی تھیں۔ ڈاکٹر سے تو انہوں نے بہانا بنا دیا کہ بھول گئی تھیں لیکن وہ جانتی تھی، اس کی ماں اتنے برسوں میں کبھی اپنی دوائی نہیں بھولی۔ اسے خود پر غصہ آیا۔ وہ کام کیا کر رہی تھی ایک بار پھر گھر سے بالکل غافل تھی۔ گھر آتے ہی کھانا نماز اور بچوں کے گھر کے کام دیکھ کے وہ سو جاتی تھی۔

''امی آپ نے بتایا کیوں نہیں مجھے، دوائی ختم ہو گئی ہے؟'' واپسی میں اس نے پوچھا۔

''بھول گئی تھی۔'' انہوں نے اس سے بھی بہانا بنایا۔ اس کے اندر نیا خوف بیدار ہوا تھا۔ ماں کے علاوہ کون تھا اس کا اس دنیا میں۔

اگلے دن اس نے تسنیم کوثر سے مزید ٹیوشن کا کہا۔

''ٹیوشنز تو نہیں لیکن وسیم کے کولیگ کو کچھ مہینوں کے لیے کک چاہیے۔ رکو، میں وسیم سے بات کر کے کنفرم کرتی ہوں۔'' وہ فون لگانے لگیں اور اس کی امید آسمان چھونے لگی۔

''ایکچوئیلی۔'' انہوں نے فون رکھنے کے بعد ایک لفظ کو ضرورت سے زیادہ لمبا کھینچا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔

''وہ صبح سے شام آفس میں ہوتے ہیں تو انہیں ایک ہی بندہ چاہیے جو ککنگ اور کلینک دونوں کر لے، فی الحال وہ ایک ہی فرد ہے گھر میں۔''

''میں کر لوں گی۔'' اس نے بنا سوچے سمجھے کہا۔ تسنیم کو بھی اس کی امید نہیں تھی۔ ان کے تاثرات اسے خجل کر گئے۔ اس کی ضرورت اور محدود وسائل اس کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا تھا۔

''ہاں کام تو کام ہوتا ہے۔'' آخر تسنیم نے ہی

کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
"میں تمہیں ایڈریس بھیج رہی ہوں۔ آج ہی جاؤ گی؟ تو میں اطلاع دے دیتی ہوں تمہارے آنے کی۔"
"جی۔" وہ پلٹ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔
"کام تو کام ہوتا ہے۔" اس نے خود سے کہا۔
ایک بار پھر مصنوعی بے حسی اور بے خبری کی دیوار اونچی ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

اسٹیشن پر اترتے ہی جب خیال کی رو گھر کی طرف مڑی تو اسے یاد آیا آج مسز تسنیم رضوی نے کسی نئے 'کک پلس ہیلپر' کو بھیجنے کہا تھا اور اس نے آٹھ بجے کا وقت دیا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا، آٹھ بج کے چالیس منٹ ہو رہے تھے۔ اتنی دیر تو وہ رکی نہ ہوگی۔ اسے افسوس ہوا۔
"کوئی ملنے آیا ہے، سر لابی میں بیٹھے ہیں۔"
گیٹ پر ہی چوکیدار نے مطلع کیا تو وہ لمبے ڈگ بھرتا لابی تک آیا اور دور لفٹ کے سامنے صوفے پر بیٹھی نہی کو دیکھ کر پلٹ گیا۔ نہی نے کسی کی آمد کا احساس ہوتے ہی لابی کے داخلے کی طرف دیکھا تھا۔
بلال کی حیرت پل بھر کی تھی بس۔ اگلے ہی پل کوئی زخموں کو ناخنوں سے کریدنے لگا تھا۔ اس نے جیب سے فون نکال کے مسز تسنیم رضوی کو پیغام لکھا کہ اسے دیر ہوگئی ہے، وہ آج کک سے مل نہیں پائے گا۔
فون واپس جیب میں رکھ کے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ چند منٹ بعد اس نے اسے گیٹ کی طرف جاتے دیکھا۔ جب وہ عمارت سے باہر چلی گئی تو وہ لفٹ سے اپنے فلیٹ میں آیا۔
"کیا اسے پتا نہیں ہے وہ کہاں آئی تھی؟"
بیگ جگہ پر رکھتے ہوئے اس نے سوچا۔
"اگر علم ہوتا تو وہ یہاں آتی۔؟ کبھی نہیں!"
شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ اس کا عکس اکڑا سا اسے تک رہا تھا۔ عکس کے چہرے پر تمسخرانہ تبسم اور آنکھوں میں فتح کا نشہ سا تھا۔ اس نے ہاتھ سے اپنے چہرے کو ٹٹولا، پھر ہونٹوں کو۔ وہ کہاں مسکرا رہا تھا نہ اس نے ایسا تاثر سجایا تھا۔ لیکن آج آئینہ وہ آئینہ بنا تھا جسے کتابوں میں پڑھا تھا، باطن دکھانے والا۔
"تم میں اور اس میں فرق ہے!" اس نے عکس کو تنبیہ کی۔
"کیا واقعی۔ یا محض موقع ملنے کی دیر ہے؟"
عکس کا تبسم طنزیہ انداز میں گہرا ہو گیا۔
وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ آج اسے عشرت کو فون کرنا بھی یاد نہیں رہا تھا نہ اس نے کھانا کھایا۔ نماز پڑھ کے وہ سونے لیٹا تو نیند بھی نہیں آئی۔ آخر اس نے فون اٹھا کے مسز تسنیم رضوی کو پیغام لکھنا شروع کیا۔
"آپ ہیلپر سے کہیں، وہ کل سے کام شروع کر دیں میں چابیاں واچ مین کو دے جاؤں گا۔"

☆☆☆

وہ کچھ مایوس، کچھ پرامید گھر پہنچی تھی۔ آج ملاقات ہوتی تو کیا پتا آج ہی انکار ہو جاتا، اب کم از کم امید کل تک تھی۔
"جلدی آگئی۔ میسج تو کیا تھا، دیر ہو جائے گی۔" نشاط نے دروازہ کھولتے ہی اسے دیکھ کر کہا۔
"ہاں۔ جہاں کام کے لیے ملنا تھا وہ ملے نہیں۔" وہ چپل اتار کے پیر اوپر کیے صوفے پر بیٹھ گئی اور ہاتھ سے پنجے دبانے لگی۔ اس نے آج رکشا کے پیسے بچائے تھے۔
"دانی مارو کہاں ہیں؟" خاموشی محسوس ہوتے ہی اس نے پوچھا۔
"دانیال کو بخار ہے، کروسین دی ہے سو رہا ہے۔ وہ سویا ہے تو مائرہ بھی کلرنگ بک لے کے بیٹھی ہے۔"
"بخار۔ کیسے۔؟" وہ فوراً پیر نیچے کر کے اٹھ کے اندر بڑھی۔ دانیال پلنگ پر سو رہا تھا اور مائرہ فرش

پر بیٹھی کتاب کی تصویر میں رنگ بھر رہی تھی۔
اس نے دانیال کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ ہتھیلیوں کو ہلکی تپش محسوس ہوئی۔
"یا اللہ اسے شفا دے، یہ بخار بڑھے نہیں۔"
اس نے دل سے دعا کی۔ اب دعائیں بھی صرف محبت اور پروا کا نتیجہ نہیں رہی تھیں۔ اس کے جواز میں بھی 'خرچوں' کی ملاوٹ ہو گئی تھی۔
"کھانا کھایا بیٹا؟" اس نے جھکی مائرہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"اونہوں۔" اس نے وضع بدلے بنا کہا۔ وہ نیچے فرش پر اس کے پاس بیٹھ گئی۔
"پوری بک کلر کر لی؟" وہ بڑی صفائی سے پودوں پھولوں اور تتلیوں میں رنگ بھر رہی تھی۔ ٹرین میں بیچنے آنے والوں سے اس نے یہ سستی رنگ بھرنے والی کتابیں خریدی تھیں۔
"ہم۔ یہ لاسٹ پیج ہے۔" تب ہی اس کا فون بجنے لگا۔ اس کا اٹھنے کا بھی دل نہیں کیا۔ تب ہی نشاط فون لیے آئیں۔
دوسری جانب سے تسنیم کوثر نے اسے خوش خبری سنائی۔ اس کے اندر اچانک جوش بھر گیا۔
"چلو، کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے مائرہ کے آگے پھیلے رنگ سمیٹتے ہوئے کہا۔
"امی!" اٹھ کے رنگ میز پر رکھتے ہوئے اس نے نشاط کو آواز دی۔ "کل سے مجھے دیر ہو گی۔ ایک نئی جگہ کام شروع کروں گی۔ کچھ دن بعد ہی پتا چلے گا کہ وہاں کتنا وقت لگتا ہے۔"
"کون سا کام؟" نشاط دروازے میں آ کر رک گئیں تو وہ کچھ پل کو چپ رہ گئی۔
"امی۔ ٹیوشنز ہی ہیں بچوں کی۔"
"اچھا۔" وہ پلٹ گئیں۔ بیٹی کی حالت وہ بھی دیکھ رہی تھیں۔ ان کا دل بھی بیٹی کے لیے دکھ سے بھر جاتا تو بھی شکر گزار ہوتا کہ وہ پہلے والی تبی نہیں رہی تھی تو بھی سب پس پشت چلا جاتا اخراجات اور مستقبل کی فکر سب بھلا دیتی۔ دور کبھی انہیں اپنا آپ بہت خود غرض لگنے لگتا۔

☆☆☆

گیٹ پر چوکیدار نے آنے کا مقصد پوچھا اور جب اس نے فلیٹ نمبر بتایا، اس نے اسے چابی تھما دی۔
وہ پر سوچ سی لفٹ سے چھٹی منزل کے فلیٹ نمبر چھ سو دو تک پہنچی۔
"کام کیا کرنے ہوں گے؟" اس سے کچھ بھی نہیں کہا گیا تھا۔ تنخواہ بھی تسنیم کوثر نے بتائی تھی۔
"میں نے نمبر بھی نہیں لیا۔ تسنیم باجی نے ایڈریس کے ساتھ شاید نمبر بھی دیا تھا۔" دروازہ کھول کے وہ ہال میں داخل ہوئی۔
سلیقے سے سجا گھر، جہاں جو چیز ہونی چاہیے وہاں اس کے علاوہ کچھ اور نہ تھا جو مکینوں کی کم تعداد اور بچوں کے نہ ہونے کی تصدیق تھی ورنہ ممبئی میں متوسط طبقے کے فلیٹس اس معاملے میں آنے والے سے خود ہی کلام کر لیتے ہیں۔ دونوں خواب گاہیں کھلی تھیں۔ وہ پہلے باورچی خانے میں آئی۔ اس کی نظر کھانے کی چھوٹی سی میز پر نظر آ رہے نیلے اسٹکی نوٹس پر پڑی۔ اس نے آگے آ کر بیگ میز پر رکھا اور جھک کے نوٹس پڑھنے لگی۔
"اوہ!" وہ اس کے کام کی تفصیل تھی۔ اس نے ایک اور گہری سانس لی۔
"تو تم اب کل کام والی ماسی بھی ہو۔" اپنی ضرورت اور مجبوری کے تحت اس نے کہہ تو دیا تھا کہ وہ صفائی بھی کر لے گی جو کبھی اس نے اپنے گھر بھی نہیں کی تھی۔
"کام کام ہوتا ہے تبی!" اس نے خود کا حوصلہ بڑھایا۔
"پہلے یہ ہی کر لیتی ہوں۔" اس نے دوپٹا اتار کے کرسی پر لٹکایا اور جھاڑو لے کر باورچی خانے سے باہر آ گئی۔ باورچی خانے کے ساتھ چھوٹی سی بالکنی تھی جہاں جھاڑو رکھی تھی یہ سب نوٹس میں لکھا تھا۔
کمروں کی جھاڑو لگاتے ہوئے اس نے

جائزہ بھی لیا۔ مکین سلیقہ مند تھے۔ دوسری خواب گاہ کے گوشے میں کھڑے قد آدم آئینے نے اس کی توجہ کھینچ لی۔

''واؤ!'' وہ مبہوت سی اس کے قریب پہنچی۔

'آ گیا' میں ایسے 'اسٹینڈنگ' شیشے اسے بے حد پسند آئے تھے لیکن نشاط نے لینے نہیں دیا کہ بچے سارا وقت گھر میں دوڑتے پھرتے ہیں، فرش پر کھڑا آئینہ کسی بھی پل حادثے کو دعوت ہوگا۔ اس نے بہت بحث کی، بھائی کو ساتھ گھسیٹا لیکن اس معاملے میں بھائی نے بھی اس کی مدد نہیں کی تھی کہ نشاط کا خوف درست تھا۔ ایک اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے آئینے کے سیاہ فریم پر ہاتھ پھیرا تو بے اختیار آنکھیں بھر آئیں۔ جانے بھائی کی یاد تھی، اپنے ماضی کی یا اس لمحے اپنی حیثیت کا سچ!

وہ کام کرتے ہوئے مسلسل یاد رکھے تھی کہ کام کام ہوتا ہے، محنت خوبی ہے، حلال کمانے میں شرم کیسی لیکن جیسے ہی وہ غسل خانے میں آئی، اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ کوشش کے باوجود اس سے ضبط نہیں ہو رہا تھا۔ ایسی شدید بے اختیاری، بے بسی اس نے اب تک محسوس نہیں کی تھی۔ وہ واش بیسن کے کنارے پر دونوں ہاتھ رکھے روئے جا رہی تھی۔

بالآخر ہچکیوں کے ہمراہ اس نے یہ 'کام' بھی کر ہی لیا۔ حالاں کہ غسل خانہ صاف ستھرا تھا، اسے صفائی کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کے کام کی فہرست میں یہ بھی درج تھا، لہٰذا اس سے نجات بھی نہیں تھی اور وہ بے ایمانی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ واش بیسن میں ہاتھ دھوتے ہوئے اس نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو ایک دم خیال آیا، امی کو پتا چلا تو۔ اور تھمے آنسو پھر رواں ہو گئے۔ خالی گھر میں اس کی سسکیاں گونج اٹھیں۔

جانے کتنی دیر بعد اس نے فریج کھول کے چیزیں نکالیں اور نوٹ میں درج دال، روٹی اور لوکی بنائی۔ ہمیشہ کی طرح وہ پکاتے ہوئے ذرا دیر پہلے والی بات بھول گئی تھی۔ اس کے بعد باورچی خانہ سمیٹا، برتن دھوئے، خشک کیے اور جگہ پر رکھے۔ اس نے شکر ادا کیا کہ اس نے صفائی پہلے کی، پکایا بعد میں ورنہ وہ اسی پژمردہ اور روئی صورت کے ساتھ گھر پہنچتی تھیں۔ چوں کہ پہلا دن تھا تو اس نے عام سے کھانے پر بھی محنت کی تھی۔

''اللہ کرے انہیں کوئی شکایت نہ ہو۔'' فلیٹ سے نکلتے ہوئے اس نے دعا کی۔

وہ پیدل ہی اسٹیشن آئی۔ اس وقت بھی ٹرینوں کی بھیڑ جوں کی توں تھی۔

بلال جان بوجھ کر دیر سے گھر آیا تھا۔ صبح ہونٹ سختی سے بھینچے نوٹس لکھتے ہوئے وہ خود سے لڑتا رہا تھا لیکن اس کے اندر جمع غصہ اور غبار ایک دو دن کا نہیں تھا جو جھٹ جاتا، بیٹھ جاتا، موقع گنوا دیتا۔ ہمیشہ اس کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرنے والا وہ پہلی بار با اختیار تھا۔ ان کے مقام بدل گئے تھے تو وہ اپنی سوچ بھی اس سے بدل کے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس کی جگہ تھی تو اسے بھی تو نبی کی جگہ سنبھالنا چاہیے تھی۔

''آخر تم بھی عام سے انسان نکلے۔'' شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے شیشے میں عکس اس سے مخاطب تھا۔

''مجھے کب خاص ہونے کا دعوا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تو وہ بھی عام لڑکی تھی۔ تو جھگڑا کس بات کا؟'' عکس پھر مسکرایا تھا۔

گھر ایسا گندہ ہوتا نہیں تھا کہ صفائی کے بعد فرق محسوس ہوتا۔ کپڑے بدل کے پھر باورچی خانے میں آیا۔

کھانا کھاتے ہوئے اس کی کیفیت اس بچے سی تھی جسے کھلونا پسند تو آتا ہے لیکن چوں کہ وہ ناراض ہوتا ہے، اس لیے خوشی کے اظہار کے بجائے کھلونا سینے سے لگائے منہ پھلائے بیٹھا رہتا ہے۔ وہ بھی کھاتا رہا تھا۔

☆☆☆

جب سے اس نے باہر جانا شروع کیا تھا، پہلا

موقع تھا کہ اسے فوراً نیند نہیں آئی تھی۔
"یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔" اس نے بے چینی سے کروٹ بدلی تھیں۔
ایسے لگتا تھا، اب تک اس نے اچھی زندگی گزاری تھی۔ کبھی لڑائی جھگڑے کیے نہ بے وجہ کسی سے الجھی۔ جو اچھا نہیں لگا یا جس نے اسے کوفت میں مبتلا کیا وہ اس سے کنارہ کر لیتی تھی کہ اسے اپنا ذہنی سکون اور اطمینان سب سے زیادہ عزیز تھا۔ لیکن اب وہ اپنا ماضی حال کے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔
سب سے زیادہ جس کا چہرہ ابھرتا تھا، اسے تو اس نے کسی گنتی میں نہ رکھا تھا۔ اپنا برتاؤ اسے کبھی غلط لگا ہی نہیں۔ وہ بے تاثر چہرہ جو اسے طیش دلاتا تھا، اب حیرت انگیز طور پر اب اس چہرے میں چھپے تاثرات وہ بڑی آسانی سے پڑھ رہی تھی۔
اگلا دن پہلے دن جتنا مشکل نہیں لگا یا وہ خود کو یقین دلا رہی تھی۔ آج بھی 'مینو' لکھا تھا۔
"جب نوٹ لکھ ہی دیا تھا تو کھانے کے بارے میں بھی دو لفظ لکھ دیتے!" اس نے ذہن 'دیگر' اہم معاملات سے ہٹاتے ہوئے سوچا۔
بقیہ سارا وقت بھی خود کو تیار کیا، سمجھایا، بہلایا تھا پھر بھی غسل خانے میں جاتے ہی اسے پھر رونا آ گیا۔
"اس کی عادت ڈال لو نہیٰ اور دانی کی کرائے کلاس یاد رکھو بس۔" اس نے بلند آواز میں خود سے کہا۔
کام نپٹانے کے بعد جب وہ جانے کے لیے تیار ہوئی تو کتنی دیر میز کے پاس کھڑی سوچتی رہی کہ اسے بھی نوٹ لکھ کر پوچھ لینا چاہیے یا نہیں۔ دل جتنا رائے جاننے کی خاطر ہمک رہا تھا، نوٹ لکھ کر پوچھنا اتنا ہی غیر ضروری لگ رہا تھا۔
ان حبس بھرے دنوں میں اس کی آکسیجن کھانے پر ملنے والی تعریفیں ہی تھیں۔ تسنیم اس معاملے میں وسیع القلب تھیں۔ خود تو تعریف کرتی تھیں ساتھ ہر کھانے والے کی تعریف بھی اس تک پہنچاتی تھیں، البتہ ان کی ساس اس معاملے میں کنجوس تھیں تاہم وہ شوہر دیور اور سسر سب کی رائے اسے سناتی تھیں۔ اس کی کلفت اور تھکان کے لیے وہ تعریفیں اکسیر تھیں اور وہ اس کے لیے لالچی ہوتی جا رہی تھی۔ مسلسل کم مائیگی کی گہرائی میں 'فری فال' کے دوران یہ الفاظ وہ شاخیں تھیں جنھیں تھام کے وہ خود کو کچھ دیر کے لیے مزید نیچے لڑھکنے سے روک لیتی تھی۔ ان سے اسے اپنے کسی 'قابل' ہونے کا احساس ہوتا تھا۔

☆☆☆

"یہ سبزی خور ہیں شاید۔" ایک بار پھر فریج سے سبزیاں نکالتے ہوئے اس نے سوچا۔
پکاتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے سب بھول جاتی تھی کہ تنہا باورچی خانے میں کام کرنا اسے ہمیشہ سے پسند تھا۔ تسنیم کوثر کے یہاں ان کی کام والی ماسی اور ساس تنہائی نہیں ہونے دیتی تھیں۔
ہر روز کھانے کا مینو نوٹ میں لکھا ہوتا تھا، تیسرے چوتھے دن کے بعد سے نمک مرچ کی شکایتیں ملنے لگی تھیں۔ وہ بہت توجہ سے پکانے لگی تھی پھر بھی وہ وہی دو تین سبزیاں پکا کر اکتا گئی تھی مگر کھانے والے کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔
بلال غیر جانب داری سے دیکھتا تو وہ کھانا بہترین بناتی تھی اور باقی کام میں بھی ڈنڈی نہیں مارتی تھی۔ ابتدا میں ایک دو دن اس نے خوامخواہ ہی کھانے میں نمک اور مرچ کی کمی بیشی کا لکھ دیا تھا لیکن آج وہ بڑی دیر سے میز کے سامنے کھڑا مسلسل بال پوائنٹ ہلاتے ہوئے سوچ کر رہا تھا کہ ذہن الجھا سا تھا۔ اچھا ہی ہوتا پہلے دن وہ نوٹ نہ لکھتا لیکن تب تو اسے۔
"تو اب کیا بدل گیا ہے؟" اندر متنفر سی آواز گونجی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور پین میز پر رکھ کے پلٹ گیا۔
اس نے اندر آتے ہی وہ نیلی پرچی دیکھی اور تیزی سے میز تک آئی۔

"آں؟" پرچی کوری تھی۔ قریب ہی قلم تھا جو آج سے پہلے اس نے وہاں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"شاید دیر ہو رہی ہوگی۔" اس نے خود ہی وجہ سوچ لی۔ وہ پرچی کھینچنے ہی لگی تھی کہ رک گئی۔ ذہن مسلسل وہ جملہ ترتیب دے کر رد کر رہا تھا جس میں اسے یہ پوچھنا تھا کہ اس کا پکایا کھانا کیسا ہوتا ہے۔

جب وہ جانے کے لیے تیار تھی تو بیک شانے پڑا لے میز کے آگے رک گئی۔ کچھ دیر سوچنے اور خود کو روکنے کے بعد آخر اس نے قلم اٹھایا۔

"آپ کا پتا نہیں لیکن میں وہی تین سبزیاں بنا کے بور ہوگئی ہوں، اگر آپ مینو میں وسعت پیدا کریں تو مجھے۔" وہ مجھے اچھا لگے گا، لکھتے لکھتے رک گئی پھر 'مجھے' کو قطع کیا اور آگے صرف بہتر ہوگا، لکھ دیا۔

بلال کھانے کے لیے اندر آیا تب یاد آیا کہ وہ صبح قلم اور پرچی یونہی چھوڑ گیا تھا۔ وہ میز کے پاس سے گزر کے کھانا لینے آگے جا رہا تھا کہ ٹھٹک کے رکا اور پرچی کھینچی۔

"میں تین ہی سبزیاں کھا رہا ہوں؟" اس نے تعجب سے سوچا۔

عشرت جانے سے پہلے فریج بھر کے گئی تھیں۔ ایک دو دن دفتر سے آ کر اس نے پکانے کی کوشش کی لیکن تھکان اتنی ہوتی تھی اور کھانا بھی اچھا نہیں بن رہا تھا۔ اس نے باہر سے منگوانا شروع کیا مگر اسے روز روز باہر کا کھانا بھی پسند نہیں تھا پہلے ہی وہ دوپہر میں دفتر کے کینٹین میں زہر مار کر رہا تھا۔

عشرت کے جانے کے بعد اسے لگنے لگا تھا زندگی سے ذائقہ اور لذت بھی ختم ہوگئے ہیں اور نجمی کے بعد اسے لگا تھا وہ لوٹ آئے ہیں۔

ساری عمر محنت اور کام کے بعد دن کے آخر میں ماں کے ہاتھوں کا سادہ مگر لذیذ کھانا ہی ہمیشہ اس کے دن کا اختتام پرسکون کرتا تھا۔ اسے ایسے گھر کے بنے 'کمفرٹ فوڈ' کی عادت تھی۔

☆☆☆

اگلے دن میز پر نوٹ کے ساتھ پیسے بھی رکھے تھے۔

"خود خرید لیا کریں۔"

"ہا!" اسے حیرت آمیز خوشی ہوئی۔

اس دن تو اس نے جو میسر تھا وہ بنا دیا لیکن اگلے دن اس نے گوشت خریدا اور اپنی پسند کی سبزیاں۔ بازار میں اسے خیال آیا اور وہی بات اس نے نوٹ میں لکھ کر پوچھ لی۔

"ایسا کچھ جو آپ کھانے کی میز پر دیکھنا نہیں چاہتے؟"

بقیہ پیسے اور بل کے ساتھ رکھی پرچی پر بلال کے ابرو تن ہوگئے۔

کھانا کھاتے ہوئے وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کھانا اچھا نہیں لگتا۔ کھانا ختم ہونے تک اسے کچھ یاد نہ آیا۔

اگلے دن نجمی کو پرچی ملی جس پر لکھا تھا۔

"بدمزہ کھانا۔" اور وہ بے اختیار ہنسنے لگی۔ جانے کتنے وقت بعد اسکی بے ساختہ ہنسی چھوٹی تھی۔ بقیہ سارا وقت وہ سوچ سوچ کر مسکراتی رہی۔

"اگر یہ ایسے خوش مزاج ہیں تو بتاتے کیوں نہیں کہ کھانا کتنا اچھا یا کتنا برا ہوتا ہے۔" اب نمک مرچ کی شکایت بند تھی۔

اسے اس کے جواب سے حوصلہ ملا تھا۔

"تو آپ میز پر رکھے کھانے کو مزے دار سے بدمزہ کے بیچ ریٹ کیوں نہیں کرتے؟"

اس نے ڈرتے ڈرتے لکھا تھا۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا وہ کون ہے، کس عمر اور مزاج کا ہے تاہم اتنے دنوں میں اس نے رائے قائم کی تھی کہ وہ معقول انسان ہے، وہ بس اپنے کھانے پر اس کی رائے جاننے کو بے چین تھی۔

اس کے بعد اسے پرچی پر پانچ میں سے اسٹار ملنے لگے تھے۔ کبھی تین اور کبھی ساڑھے تین۔

"یعنی میں ایوریج یا اس سے تھوڑا بہتر پکاتی ہوں۔"

digest library.com

اس کا جوش ماند پڑ گیا لیکن پھر وہ اس سے پانچ اسٹار حاصل کرنے کی لگن میں مزید توجہ سے پکانے لگی۔

☆☆☆

تسنیم کے توسط سے اسے مزید دو ٹیوشنز مل گئی تھیں۔ اب اس کا پورا دن مصروف گزرتا تھا۔ پہلے وہ تسنیم کے یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اسٹیشن پر وقت بتاتی تھی اور شام ہوتے ہوتے بلال کے یہاں آتی تھی۔ اب وہی وقت ان دو ٹیوشنز میں صرف ہو رہا تھا۔

صبح گھر سے نکل کر وہ اسٹیشن پہنچی، اور بارش شروع ہو گئی۔ یہ غیر موسمی اور غیر متوقع برسات تھی۔ جب وہ دادر اسٹیشن اتری تو بارش مزید تیز ہو گئی۔ رک کر برستے پانی کے تھمنے کا انتظار کرنا بے کار تھا کہ جانے وہ بند ہوتی بھی یا مسلسل جاری رہتی، اس لیے وہ ہاتھ سے سر بچانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بھاگتی دوڑتی بس اسٹاپ تک آئی جو پاس ہی تھا پھر بھی وہ خاصی بھیگ گئی تھی۔

کالونی کے قریبی بس اسٹاپ پر آتے آتے بارش کا زور کم ہو گیا تھا۔

''کون زیادہ بے اعتبار ہے زندگی، وقت، موسم یا انسان؟'' تسنیم کوثر کے گھر کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

دن تو جیسے گزر گیا لیکن جب وہ بلال کے یہاں آئی تو طبیعت نڈھال تھی، بدن درد سے ٹوٹ رہا تھا، چھینکیں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ یہ بستر پر پڑنے کی ابتدائی علامات تھیں۔ اس نے پرس ٹٹولا تو 'دوائی' مل گئی۔ دوائی لے کے اس نے پہلے کھانا بنایا کہ اسے لگ رہا تھا، طبیعت نے ساتھ نہ دیا تو کام ادھورا چھوڑ کے گھر جانا پڑے گا اور صفائی سے زیادہ ضروری کھانا تھا۔ تاہم باورچی خانے سے فارغ ہونے کے بعد کسی طرح اس نے تینوں کمروں کی صفائی بھی کر لی۔ آخر میں وہ ماسٹر بیڈ روم میں آئی تھی۔ اب اسے اپنا بیگ اٹھا کے گھر کے لیے نکلنا تھا لیکن اچانک سامنے پلنگ پر آرام دہ، سلوٹ سے پاک، سلیقے سے بنا تکیے اور کمفرٹر سے سجا بستر دیکھ کر اس کا ٹوٹتا بدن اور بوجھل ہوتی آنکھیں ٹھٹک کے احتجاج والتجا کرنے لگیں۔ کچھ دوا کا اثر تھا کہ اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ اس نے معمول سے زیادہ تیزی سے کام سمیٹ لیے تھے۔

''کچھ دیر سو جاؤں تو؟'' اندر کی کشمکش پر طبیعت کی سستی غالب آ گئی۔

''میں کوئی چیز استعمال تھوڑی کر رہی ہوں، پنکھا بھی بند ہے۔'' تھکان اور طبیعت کی گرانی نے اس وقت ضابطہ اخلاق، اصول سب بھلا دیے تھے۔

اس نے فون میں الارم لگایا اور پلنگ کے کنارے جھجکتے ہوئے تکیے پر یوں سر رکھا کہ اس پر کوئی نشان نہ چھوٹنے پائے، اگلے پل ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد الارم بج بج کے خود ہی بند ہو گیا۔

بلال نے چابی سے دروازہ کھولا، اندر آ کر جوتے اتارے، بیگ صوفے پر رکھا، جرابوں سمیت کمرے میں آیا اور دروازے پر ہی بری طرح ٹھٹک گیا۔ کھڑکیاں بند تھیں، پنکھا بھی اور پلنگ کے کنارے گھٹنوں سے پیر موڑے کروٹ لیے تہمینہ سو رہی تھی۔ اس نے دوپٹا خود پر پھیلا رکھا تھا۔

وہ یوں سانس روک کے کھڑا تھا مانو اس کے زیرو بم سے بھی وہ جاگ جائے گی۔ جانے کتنی دیر وہ اس کا سرخ، اترا، تھکان زدہ متورم چہرہ دیکھتا رہا پھر خود ہی اس بے خودی پر ٹھٹک کے دبے پاؤں پلٹ گیا۔ گھر کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ کام ختم کر چکی ہے۔

''کیا وہ روتی رہی ہے یا بیمار ہے؟'' سوال کہیں سے اچھل کے کھڑا ہوا۔ اس نے فوراً سر جھٹک کے اسے گرایا۔

جوتے پہنے، بیگ اٹھایا اور باہر نکل کے دروازہ مقفل کر کے نیچے آ گیا۔

پہلے سوچا، عمارت کے باغ میں ہی وقت

digest library.com

گزارے لیکن پھر ارادہ بدل کے سامنے والی عمارت کے بغل میں موجود چھوٹے سے ریستوراں میں جا کر بیٹھ گیا۔ جہاں سے اس کی عمارت کا گیٹ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ لیپ ٹاپ کھولے، خود کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے، گیٹ پر نگاہ رکھتے ہوئے جب اس نے تیسری چائے ختم کی تو نبہا گیٹ سے نکلتی دکھائی دی۔

اچانک اسے پنکھے کی خواہش نے جگایا تھا اور جیسے ہی احساس ہوا کہ وہ کہاں سو رہی ہے، وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی تھی۔ دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھتے ہی اس کا سانس رک گیا۔

''اوبر آجاتے تو!'' اس نے دل ہی دل میں خود کو لتاڑا اور دوڑ کے باورچی خانے سے بیگ اٹھا کے باہر نکل گئی۔ لفٹ سے باہر آتے ہی اسے احساس ہوا کہ اب بخار بھی آگیا ہے لیکن ابھی ایک اور تھکا دینے والا سفر باقی تھا۔

''رکشا کر لیتی۔'' اسے اسٹیشن کی سمت جاتے دیکھ کر بلال نے سوچا۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد اس نے اسے کل نہ آنے کا پیغام بھیجنے، فون اٹھایا لیکن پھر کچھ لکھے بنا رک گیا۔

☆☆☆

گھر پہنچنے تک بخار خاصا تیز ہو گیا تھا۔ نشاط نے اس کی نہ نہ کے باوجود اسے خواب گاہ میں گھر کے اکلوتے پلنگ پر سونے کہا۔

''کل چھٹی کرو، ابھی سب کو فون کر دو کہ کل نہیں آؤں گی۔'' اسے کھانا کھلانے اور دوا دینے کے بعد کمرے سے جاتے ہوئے انہوں نے اسے تاکید کی۔

لیکن وہ چادر منہ تک کھینچ کے سو گئی۔

جانے کس پہر اس کی آنکھ کھلی۔ نیند پوری ہو گئی تھی اور بخار بھی نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بچے فرش پر بستر بچھا کے سوئے تھے، نشاط وہاں نہیں تھیں۔ وہ باہر آئی تو وہ صوفے پر سو رہی تھیں۔ اس نے جھک کے انہیں جگایا۔

''امی اٹھیں، اندر بیڈ پر سو جائیں۔''

''تم کیوں اٹھ گئیں آرام کرو۔'' انہوں نے آنکھ کھولی۔

''میں ٹھیک ہوں اب، آپ یہاں بے آرام رہیں گی اندر جائیں، مجھے عادت ہے۔'' وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ نشاط اٹھ گئیں اور اسے بے موقع اچانک یاد آیا۔

''بہت دن سے عشرت آنٹی نہیں آئیں، وہ ٹھیک تو ہیں؟'' اب یہ اس کی بیماری کا اثر تھا یا کچھ اور کہ اسے یکایک ان کی خیریت کا خیال آیا تھا۔

''تمہیں بتایا تو تھا وہ بریرہ کے پاس دبئی گئی ہیں، اس کا کوئی آپریشن ہے۔''

''اچھا، آپ سو جائیں۔''

انہوں نے ہتھیلی کی پشت اس کی پیشانی پر رکھ کر حرارت کا اندازہ لگایا۔

''بخار تو اتر گیا لیکن تم جاگنا مت، آرام کرو۔'' وہ اندر چلی گئیں۔

اس نے صوفے پر بیٹھ کے فون دیکھا۔ تسنیم کوثر کا پیغام تھا کہ کل وہ مسز کاشفی کے یہاں نہ جائے، وہ نہیں ہیں۔ اس نے اسی وقت انہیں اور دوسری جگہ بھی اپنی طبیعت خرابی کی وجہ سے کل کی چھٹی کا پیغام بھیج دیا تاکہ وہ صبح ہی دیکھ لیں اور انتظار نہ کریں۔

اگلے دن صبح پھر ہلکا بخار آگیا۔ اس نے شکر ادا کیا کہ اس نے چھٹی کر لی تھی۔ دوا لینے اور سارا دن سونے کے بعد شام تک وہ پھر سنبھل گئی۔

اسکول سے آنے کے کچھ دیر بعد دانیال خوشی خوشی کراٹے کلاس کو چلا گیا۔ مائرہ بھی ہفتہ اور اتوار کو مصوری کی کلاس میں جانے لگی تھی۔ انہیں خوش دیکھ کر اس کے اندر سکون اتر جاتا تھا۔

شام ہوئی تو نشاط مائرہ کو لے کر قریبی پارک چلی گئیں۔ یہ ان دونوں کا معمول تھا۔ اس نے بھی بستر سے نکل کر نہانے کے بعد کپڑے بدلے، نماز پڑھی اور گیلے بال یونہی کھلے چھوڑ کے چائے لے کر

digest library.com

صوفے پر بیٹھی ہی تھی کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔

"جلدی آ گئے۔" اس نے نشاط اور مائرہ کی امید میں یونہی دروازہ کھولا لیکن سامنے بلال تھا۔ اس نے دائیں شانے پر جھول رہا دوپٹا اٹھا کے دوسری طرف پھیلایا۔

نہ کسی نے سلام کیا نہ بات۔ وہ ایک طرف ہو گئی۔ بلال اندر آیا اور اسے خاموشی کا احساس ہوا، وہ اس کی طرف پلٹا جو کھلا دروازہ تھامے کھڑی تھی۔

"امی مارو کو لے کر پارک گئی ہیں، میں فون کرتی ہوں انھیں۔" وہ تپائی پر کپ کے ساتھ رکھا فون اٹھانے جا رہی تھی کہ اس نے روکا۔

"رہنے دو۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا جس میں دو تین کاغذی تھیلیاں تھیں۔ اس نے لے لیں۔

"میں پارک سے انہیں لے آتا ہوں۔" وہ باہر نکل گیا۔

"اسے یہاں کا پارک بھی پتا ہے!" اس نے دروازہ بند کیا اور تھیلیوں میں جھانکا۔ وہ بچوں کی پسند کے برگر، فرائز اور کوکیز تھیں۔

نشاط نے اسے کھانے کے لیے روک لیا تھا۔ اس دن انہوں نے اسے کھانا بھی بنانے نہ دیا۔ وہ بیڈ روم میں قید تھی۔ بچوں اور بلال کا ہال پر قبضہ تھا۔

☆☆☆

"یہ دن تو آنا ہی تھا۔" بلال نے خود سے کہا۔

وہ چند لمحے بت بنی نہی کو دیکھتا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ یکایک ٹانگوں نے کھڑے ہونے سے انکار کیا تو اس نے آگے جھک کے کھانے کی میز کے ساتھ رکھی کرسی کا سہارا لیا۔ اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا، عجیب کیفیت ہو گئی تھی۔ کرسی پہ بیٹھ کے اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھاما۔

"کیا اسے پتا تھا یہ میں ہوں یا اسے بھی آج علم ہوا ہے؟" یکایک نئے خیال پر وہ چونکی۔

"وہ ابھی آ کے مجھ سے کہے کہ نکل جاؤ میرے گھر سے تو...؟ لیکن اس نے تو کچھ نہیں کہا۔" آنکھیں رگڑ کے آگے بڑھی۔

ہال خالی تھا۔ اس کے جوتے شو کیبنٹ میں تھے۔ پٹ کھول کے جوتے نکال کر پہننے اور پھر دروازہ کھول کے باہر جانے اتنا وقت تو لگنا ہی تھا۔ وہ تیر کی طرح دروازے کے قریب جوتے کی الماری تک آئی، جوتے پہنے اور بہ عجلت دروازہ کھول کے باہر نکل گئی، پیچھے دروازہ آواز سے بند ہوا تھا۔

دروازہ کی آواز پر پلنگ پر بیٹھے بلال نے گہرا سانس لیا۔

ٹرین میں بیٹھتے ہی اس کی سوچیں ترتیب وار وارد ہونے لگیں ورنہ سارا رستہ ذہن میں عجیب افراتفری کا عالم تھا۔

"میں تسنیم باجی سے پوچھوں کہ انہوں نے میرا مکمل نام بتایا تھا یا نہیں؟ جیسے میں کاشفی سے سمجھ نہیں پائی ہو سکتا ہے وہ بھی نہ سمجھ پایا ہو۔ کیا یہ بھی اتفاق تھا کہ ملے بنا مجھے رکھ لیا اور آج مجھے دیر نہ ہوتی تو ہم ملتے ہی نہ۔ اور وہ سارے اسٹکی نوٹس۔؟"

اس نے آنسو چھپانے کے لیے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

"اسے پتا تھا یہ میں ہوں۔" اس نے چہرہ رگڑتے ہوئے ہاتھ ہٹائے۔ پہلے دن کی اسٹکی نوٹس کی تحریروں کو بلال کی نظروں اور تیوروں سے لکھا دیکھا اور اسے یقین ہو گیا۔

"تو تم ڈیزرو کرتی ہو یہ۔ ہاں۔" اس نے سر ٹکا کے باہر ٹرین کے ساتھ دوڑتی پٹریوں پر نظر جما دی۔ کبھی کبھی کچھ دیر کے لیے خود کو بے حس بنا لینا اپنے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ہوتی ہے۔

☆☆☆

اس نے اپنے دکھ پہ روتے ہوئے کئی راتیں گزاری تھیں لیکن ان سب کا آج کی شب سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ ان سب پر کبھی صبر آ ہی جاتا تھا، آ ہی گیا تھا مگر اس وقت اپنے گزرے کل کے چند حصے کو اپنی اور کسی کی یادداشت سے حذف کرنے کی خواہش جتنی شدید تھی اتنا ہی گہرا بے بسی کا احساس بھی تھا۔

اگلے دن جاؤ کے بھی اس نے تسنیم کوثر سے کچھ

نہیں پوچھا۔ ان کے یہاں سے کام ختم کرنے کے بعد وہ ٹیوشن کے لیے گئی۔ اس کے بعد معمول کی طرح اس نے اسٹیشن پہنچتے ہی آنے والی پہلی ٹرین نہیں پکڑی تھی بلکہ وہ پلیٹ فارم کے آخر میں جا کے بنچ پر بیٹھ گئی۔ اس نے بیگ سے فون اور اپنی چھوٹی ڈائری نکال کے حساب جوڑا۔ اس تنخواہ سے گھر میں بڑی آسانیاں آ گئی تھیں۔ سب سے زیادہ مائرہ اور دانیال کے لیے۔ کچھ دیر وہ ڈائری میں آڑی ترچھی لکیریں کھینچتی رہی پھر فیصلہ کر کے اٹھ گئی۔ اسے امید تھی کہ تسنیم کوثر کہیں اور پکانے کے لیے یا ٹیوشن کے لیے اس کی سفارش ضرور کریں گی۔

اس نے پہلی بار 'کانٹیکٹس' کے سرچ بار میں فون نمبر ڈھونڈنے کے لیے اس کا نام لکھا۔

''تم جلدی آ سکتے ہو؟ بات کرنی ہے۔'' اس نے نیچے اپنا نام لکھا نہ پہلے تعارف کروایا تھا۔ وہ نیچے نام لکھنے ہی جا رہی تھی کہ ادھر سے جواب آ گیا۔

''اوکے۔'' ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری ہونے لگی تھی جسے جھٹکنے کے لیے وہ کھڑی ہو گئی۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی مرضی سے جلتے شعلوں پر چلنے کے لیے جا رہی ہے۔ پہلی بار وہ اس کیفیت سے دوچار ہوئی تھی کہ جس سے بچنے کی شدید خواہش تھی اس کا سامنا کر کے اسے ختم کرنے کی بھی اتنی ہی جلدی تھی۔

گھر پہنچ کے اس نے پہلے روز کی طرح صفائی کی اور پھر کھانا بنانے لگی۔ اس کا ذہن مسلسل آنے والے لمحوں کا تصور پیش کر رہا تھا جسے وہ جھٹک رہی تھی۔ ذرا دیر میں جو ہونا تھا، ہو جائے۔ وہ پہلے سے سوچ کے کیوں بے حال ہو۔

''ویسے بھی مجھے بس اتنا کہنا ہے کہ میں اب نہیں آؤں گی۔''

کام ختم کر کے وہ باورچی خانے میں ہی کرسی پر بیٹھی اس کا انتظار کرنے لگی۔ ایک نئے ادراک پر تلخ سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا کہ وہ گھر کی کام والی ماسی کی طرح سوچنے لگی تھی جسے بیٹھنے اور انتظار کرنے کی اجازت باورچی خانے تک محدود ہوتی ہے۔

اپنی بڑھتی بے چینی سے گھبرا کے وہ اٹھ کے ٹہلنے لگی۔

جانے کتنا وقت گزرا جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور اس نے جھٹ کرسی سنبھال لی۔ کچھ دیر بعد بلال اندر آیا اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میز پر رکھے ہاتھوں کی متحرک انگلیاں اس کا اضطراب عیاں کر رہی تھیں۔ وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی لیکن جب بلال کی آواز نہیں ابھری تو اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے گویا اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''ہاں، میں نے ہی بات کرنے بلایا تھا۔'' اس نے سوچا اور ہاتھ گود میں رکھ کے گلا صاف کیا۔

''میں کل سے نہیں آؤں گی۔ اگر تم چاہتے ہو نئی میڈ ملنے تک کام کروں تو بھی پرابلم نہیں۔''

''اوکے۔ یہ ہی کہنا تھا؟'' اس کے انداز کا دوسرا مطلب تھا 'یہ بات اسی میسج میں بھی لکھی جا سکتی تھی۔'

''نہیں۔۔۔ اور۔۔۔'' اسے لگا کمرے کی دیواریں دونوں جانب سے اس کے قریب آ رہی ہیں۔

''اپنے پچھلے رویے کے لیے میں دل سے شرمندہ ہوں۔ ریئلی ویری سوری۔''

اس سے پہلے کہ دیواریں اسے ختم کرتیں اس نے کہہ دیا بلال ہنسنے لگا تھا۔ اس نے بیگ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ بلال کی ہنسی پر تھم گئی۔ اس کی ہنسی کی کڑواہٹ اور اذیت سے کمرہ یوں بھرا کہ دیواریں بھی پھر دور ہو کے اسے گھورنے لگیں۔

''اتنا آسان سمجھا تھا تم نے!'' اس کے اندر بھی کوئی طنز کر رہا تھا۔

بلال نے کرسی کی پشت کا سہارا چھوڑا اور ایک دوسرے میں پھنسے ہاتھ میز پر رکھ کے آگے ہوا۔

''سوری۔ ریئلی سوری اور تمہارا ضمیر مطمئن۔

digest library.com

یہ اتنا آسان اور معمولی ہے تمہارے لیے۔؟" وہ غصہ ضبط کررہا تھا۔اس کے ان تین لفظوں نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

وہ اس کے پیغام کے بعد سے خود سے یہ کہتا رہا تھا کہ اسے نمیٰ سے کچھ نہیں کہنا۔اسے اندازہ تھا وہ کام چھوڑنے کی ہی بات کرے گی اور اس کا ارادہ کوئی بات کیے بنا مان جانے کا تھا لیکن اس پل اس کے ماضی کا ہر جملہ، ہر نظر، ہر تیر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔اس کے زخم تڑپ اٹھے تھے۔

اس کی سوری نے اندر کوئی بھانبھڑ سلگا دیا تھا۔ اچھا ہوتا اگر وہ کام چھوڑنے کی بات کرکے چلی جاتی، سوری نہ کرتی۔

"تمہارا رویہ وہ تھا جس نے مجھے مجرموں، ظالموں اور برائیوں سے بھری دنیا میں صرف تم سے نفرت پر مجبور کیا۔"

اس کا لہجہ، چہرا آنکھیں سب نے مل کر اس نفرت کی شدت کا احساس کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ نمیٰ کا دل سکڑنے لگا۔اس پر نئے سے اپنے رویے کی بدصورتی منکشف ہوئی تھی۔

"تم اپنے ہر اس جملے، طنز اور تمسخر کے بدلے ایک سوری کہہ کر بری الذمہ ہوسکتی ہو جس نے میری روح کو روندا، میری عزت نفس کو بارہا کچلا، ایک بھی نہ مندمل ہونے والا ناسور دیا۔" وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"کس بات کا زعم تھا تمہیں؟ کیا سمجھ رکھا تھا تم نے مجھے اور امی کو؟" وہ جواب کے لیے رکا۔اسے واقعی اس سے جواب چاہیے تھا۔

"ہم کیوں تمہاری ہر آواز پر حاضر ہونے کے پابند تھے، ہماری زندگی، ہمارے کام کیوں تم سے کم اہم تھے۔؟ بتاؤ نمیٰ۔ تم نے ہمارے لیے بھی کچھ نہیں کیا تھا، پھر کیوں تمہیں لگتا تھا کہ ہم تمہارے ٹکڑوں پر، تمہارے خیرات صدقات پر پلنے والے ہیں۔تمہارے والد مدد کرتے تھے اور اس وجہ سے تم نے خود کو یہ حق تفویض کرلیا تھا کہ ہمیں بے وقعت ہونے کا احساس دلاؤ۔کسی کے دیے گئے عطیات پر کوئی پل رہا ہو تو اسے اس پلنے والے کی 'اوقات' دکھانے کے لیے گالی کے طور پر کیوں استعمال کیا جاتا ہے۔یہ تو اس انسان کی وجہ سے دینے والے کو نیکی کا موقع مل رہا ہوتا ہے، کرنے والا اجر کے لیے کرتا ہے یا اسے وہ دونوں طریقے سے استعمال کرتا ہے کہ اللہ کو خوش کردیا اور اس کم تر کو بھی دبا دیا، اب اس پہ میری ہر آواز پر لبیک کہنا اور میری غلامی کرنا فرض ہے۔ دونوں طرح سے وِن وِن!" اس کے لہجے کی کاٹ اسے واقعی کاٹ رہی تھی۔

"چاچا نے کبھی بدلے میں کچھ نہیں چاہا لیکن تم بتاؤ تمہارے نزدیک وہ نیکی تھی، فرض کی ادائی یا لیے جانے والے کاموں کا پیشگی معاوضہ۔؟"

اچانک نمیٰ نے شکر ادا کیا، اس کے پاپا نے اس کا وہ روپ دیکھا نہیں دیکھا نہ بلال کے زخم دیکھے۔اس اذیت میں یہ احساس تسلی کی ہلکی تھپکی تھا کہ وہ اس کا بدصورت رویہ اور اس کے نتائج دیکھنے دنیا میں نہیں تھے۔وہ ایک گہرے دکھ، شرمندگی اور افسوس سے بچ گئے تھے۔

"تمہیں کبھی خیال نہیں آیا کہ اس طرح تم اپنے پاپا کی نیکیوں کو برباد کرنے کی کوشش کررہی ہو؟ یہ ان کی اچھائی تھی جو ہم ہمہ وقت حاضر تھے، وہ تمہارا ڈر، غلبہ یا احسان نہیں تھا۔گھر میں کسی کو ملازم رکھتے ہیں تو اسے اجرت دیتے ہیں، اس کی عزت نفس سلامت رہتی ہے لیکن یہ جو طریقہ ہے کہ کسی فرض یا نیکی کے بدلے کسی کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ غلام ہے، اس پر خدمت عین واجب ہے، اس سے سب کچھ چھین لیتا ہے نمیٰ!"

وہ مضبوط تھا، بہت بہادر لیکن نمیٰ کے رویے نے اسے بارہا اور باربار توڑا تھا۔

وہ رو رہی تھی۔

"تم مجھ سے دور ہی رہتے، کیوں واپس آئے۔" اس نے بمشکل کہا۔اسے احساس ہو رہا تھا اس کا ہونا ہی بلال کے لیے اذیت تھا اور اس سارے وقت

میں وہ کس آزمائش سے گزر رہا ہوگا۔
"میں احسان فراموش نہیں ہوں۔" بلال نے اس کی بات قطع کی۔
"میں نے یہ سب اپنے لیے کیا ہے تاکہ روز محشر مجھے چاچا سے آنکھ نہ چرانا پڑے، میں تمہاری وجہ سے چاچا کے احسان فراموش نہیں کر سکتا۔ جتنی مجھے چاچا سے محبت ہے، ان کا خیال ہے، جتنا میں خود کو ان کا مقروض سمجھتا ہوں اتنی ہی مجھے تم سے نفرت ہے، آئی ہیٹ یو نہی!"
نہی نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔ اس کی سرخ آنکھوں میں اتنا سب سن کے بھی وہ کرب نہیں اترا تھا جو اس کے تین لفظوں سے ٹھہر گیا۔
بلال نے دل کھولا بھی تو کس کے آگے۔ اس کی سیاہ بڑی سی آنکھوں میں اتری سرخیاں دیکھتے ہوئے اس نے ایک گہرا سانس لے کے کرسی سے پشت ٹکائی اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کے اندر جمع برسوں کا لاوا بہہ نکلا تھا۔
اس نے نئے سرے سے اٹھے ریلے کو روکنے، چھپانے کے لیے چہرہ ڈھانپ لیا۔
بلال یکا یک اٹھ کے ہال میں چلا گیا۔ اس کا رونا کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ذرا دیر بعد واپس آیا، اس کے دائیں جانب ٹشو باکس رکھا اور پیچھے سے گلاس میں پانی بھر کے گلاس بائیں جانب رکھ کے واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا کچھ نہیں تھا۔ نہی نے کئی ٹشو کھینچ کے ناک پر رکھ لیے۔
"دیر ہوگئی ہے، تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔"
کچھ دیر بعد وہ پھر کرسی سے اٹھ گیا۔
اس میں اسے انکار کرنے یا مزید کوئی بات کرنے اور سننے کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے ایک بار پھر ڈھیر سارے ٹشو باکس سے کھینچے اور بیگ لیے اس کے پیچھے چل پڑی۔ یونہی پیچھے چلتی وہ پارکنگ میں آئی، بلال نے دروازہ کھولا، وہ بیٹھ گئی۔
سارا رستہ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ بلال نے بھی چھیڑا نہیں۔ گھر کے قریب اس نے گاڑی روک دی۔ نہی نے دروازہ کھولنے سے پہلے اس کی سمت دیکھا جو سامنے سڑک کو گھور رہا تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔
"امی میرا سر بہت درد کر رہا ہے۔" اس نے ہاتھ منہ دھونے کے بعد ہال میں آ کے اعلان کیا۔
"میں کچھ دیر سو رہی ہوں، لائٹ مت آن کیجیے گا۔" بتی بجھا کے وہ صوفے پر لیٹ گئی۔
"کھانا تو کھا لو پہلے۔" انہوں نے دروازے میں آ کر کہا۔
"بعد میں اٹھ کے کھا لوں گی، الارم لگایا ہے، آپ سو جائیے گا۔"
"اچھا۔" انہوں نے کمرے میں جا کر دروازہ بھیڑ دیا کہ وہاں کا اجالا ہال کو بھی روشن کر رہا تھا۔
اس نے آنکھوں پر کلائی رکھ لی۔
"آئی ہیٹ یو نہی!" آنسو اس کی کنپٹیوں پر پھسلنے لگے تھے۔
"مجھے کبھی معافی ملے گی بھی؟" خود سے پوچھے سوال کا جواب مایوس کن تھا۔
ادھر بلال کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ آج اس کی زندگی کی سب سے بڑی نعمت بھی اس نے چھین لی تھی!
جذبات کا تیز و تند سمندر سونامی کے بعد شانت تھا تو اب جناب ضمیر تن دہی سے کام پر لگ گئے تھے۔
"تم حد سے بڑھ گئے تھے۔"
☆☆☆
اگلی صبح گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے نشاط سے کہہ دیا کہ شام والی فیملی نہیں گئی ہے سو وہ جلد گھر آ جائے گی۔ انہیں سچ ویسے بھی پتا نہیں تھا لہٰذا وہ انہیں بے خبر رکھ کے ہی نیا کام ڈھونڈ لینا چاہتی تھی۔
اب وہ تسنیم کوثر سے بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔
"پتا نہیں اسے نئی میڈ اور کک کب ملے گی، کیا پتا اب عشرت آنٹی ہی آ جائیں۔" روز اس اسٹیشن سے گزرتے ہوئے وہ یہ ہی سب سوچ جاتی۔

چند دن بعد تسنیم کے گھر سے اسے نئی راہ مل گئی۔ کچھ دن پہلے انہوں نے کسی کی دعوت کی تھی جس کے لیے اس کے بنائے اسپرنگ رول، چکن چیز رول اور کنافہ انہیں بے حد پسند آیا تھا۔ انہوں نے پوچھا تھا کہ کیا وہ انہیں یہ چیزیں فریز کرنے کے لیے بنا کے دے سکتی ہے۔ ساتھ ہی انہیں کنافہ بھی چاہیے تھا۔

''میں یہ بھی تو کر سکتی ہوں۔'' انہیں ہاں کہتے ہوئے اس نے پہلی بار سوچا۔

''میں شروعات سے ہی یہ کر سکتی تھی، اس قدر خوار ہونے کی کیا ضرورت تھی، پکانا ہی تو میرا واحد ٹیلنٹ ہے لیکن پھر یہ عقل ٹھکانے کیسے آتی۔''

اس نے اسے کبھی پیشہ یا کریئر بنانے کا سوچا ہی نہیں تھا۔ پہننے اوڑھنے جیسا یہ بھی اس کا شوق تھا۔

''مجھے سنجیدگی سے اس پر سوچنا چاہیے، میں بیکنگ بھی کر سکتی ہوں اور مجھے زیادہ دور نہیں یہیں آس پاس کسٹمرز بنانے پڑیں گے۔''

رمضان قریب تھے اور تسنیم نے اس سے افطاری میں بننے والی اشیاء کو زیادہ مقدار میں بنانے کہا تھا تاکہ وہ بھی انہیں فریز کر لیں۔

اس کے بعد سے وہ مسلسل اس پر غور کر رہی تھی۔ اس نے نشاط سے بھی کہہ دیا کہ اس نے شام والی ٹیوشنز چھوڑ دی ہے اور وہ اس نئے منصوبے پر غور کر رہی ہے۔ تسنیم کے یہاں پکانے اور بچوں کو پڑھانے کے علاوہ اس نے دوسری دو ٹیوشنز جاری رکھی تھیں۔

اس نے جو کچھ جھیلا تھا، اس نے بعد اس کے لیے کام کی غرض سے آگے بڑھ کے پہل کرنے میں کوئی مشکل نہیں تھی۔ جب وہ پہلی بار کمانے کا سوچ کے گھر سے نکلی تو نہ کچھ سوچا تھا، نہ سمجھ تھی نہ منصوبہ تھا۔ اس وقت جو ہاتھ آیا، اس نے اسے ہی غنیمت سمجھا تھا لیکن اب اسے عارضی سہارے اور وقتی راحت نہیں بلکہ دور کا سوچنا تھا۔ وہ ساری عمر در در نہیں بھٹک سکتی تھی۔

اس نے سب سے پہلے تسنیم اور اس کی دوستوں کو فریز کرنے والی چیزیں بنا کر دیں اور ان کے توسط سے مزید لوگوں نے بھی رابطہ کیا۔

اس دوران اسے پتا چلا عشرت واپس آگئی ہیں۔ وہ دو تین بار ان سے ملنے بھی آئیں لیکن بلال ان کے ساتھ نہیں تھا۔

☆☆☆

اتوار کو اچانک عشرت اور بلال کی آمد پر نئی مصروفیت میں بہلا سنبھلا دل پھر بھر بھر آنے لگا۔ بلال ہمیشہ کی طرح بچوں کے ساتھ لگا تھا۔ وہ کئی دنوں بعد آیا تھا سو ان دونوں کے پاس باتیں بھی بہت جمع تھیں۔ حسب معمول نشاط انہیں کھانا کھلائے بغیر روانہ نہیں کرنے والی تھیں۔ وہ ان کے کہنے سے قبل ہی باورچی خانے میں مصروف ہوگئی کہ دو کمروں میں سے ایک ان دونوں نے سنبھال لیا تھا اور دوسرے پر بلال اور بچوں کا قبضہ تھا۔ کھانا بن جانے کے بعد اسے ہی جا کے کہنا پڑا کہ اب کھانے بیٹھ جائیں۔

''تم کیوں اتنی خاموش ہو بیٹا؟'' عشرت سے وہ کم ہی بات کرتی تھی لیکن آج بالکل چپ تھی۔ بلال نے اسے دیکھا۔

''نہیں تو۔ میں سب کو سن رہی ہوں۔'' اس نے ہلکے سے مسکرا کے انہیں دیکھا۔

کھانے کے بعد دستر خوان سمیٹنے میں مائرہ اور دانیال اس کی مدد کر رہے تھے۔ اس نے برتن سنک میں اکٹھا کیے اور انہیں دھونے سے پہلے امی کی فرمائش پر چائے بنانے لگی تھی۔ پیچھے کوئی آیا تو اسے لگا دانیال ہے۔

''یہاں رکھ دو، میں بھر کے فریج میں رکھ دوں گی۔'' برتنوں سے بھرے سنک میں ہی وہ بوتلیں بھرنے نہ لگ جائے اس لیے اس نے کہا۔

بلال نے آگے آ کر بوتلیں کاؤنٹر پر رکھیں۔ وہ اس ناگہانی کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کا سست اور ڈھیلا انداز یکا یک بدل گیا۔ جب وہ واپس جانے

digest library.com

کے بجائے وہیں کھڑا رہا تو اسے اصل بے چینی لاحق ہوئی۔

"اتنے دن تمہارے ہاتھ کا کھانا بہت مس کیا۔"

وہ جو چائے کی پتیلی پر نظر جمائے تھی جس میں ابھی تک جوش نہیں آیا تھا، اس دوسرے غیر متوقع جملے پر بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔ اس کا سادہ لہجہ اسے بے حد ششدر کر رہا تھا۔ لہجے اور آواز میں ہی نہیں چہرے پر بھی اس دن والا غصہ، نفرت اور سختی نہیں تھی۔ اس تنہائی میں، اس سے نفرت کرنے والے کی ایسی کیا مجبوری تھی جو وہ ہال والے معمولی انداز کا ڈرامہ کر رہا تھا؟

"یہ خواب ہے یا وہ خواب تھا؟" نمیں نے اس کی سنجیدہ صورت سے نگاہ پھیر کے پھر چائے کو دیکھا۔

"اس دن میں غصے میں زیادہ بول گیا، مجھے اتنا۔" اس دن کے غصے اتنی ہی شدید اس وقت اس کی سنجیدگی تھی۔

"تم نے سب ٹھیک کہا تھا۔" نمیں نے تیزی سے بات قطع کی۔

"افسوس مت کرو۔" اس نے بلال کی طرف دیکھے بنا کہا۔ دونوں اپنی نگاہوں کے مراکز بدلے بغیر یونہی کھڑے تھے۔ کئی لمحے ان کی آواز کے منتظر مایوس سے گزر گئے۔

"اس دن میں نے آدھی بات کی تھی، آدھی باقی ہے۔" بلال نے کہا اور نمیں کی آنکھیں پھر اس کی جانب اٹھ گئیں۔

"اس دن وہ سب اور سارا کچھ نہیں تھا؟ یا اللہ میں نے کتنا ہرٹ کیا ہے اسے!" ایک ان دیکھا انجانا بوجھ اس کے دل پر آ کے ٹھہر گیا۔

"جب دل کرے سنا دینا۔" اس نے نظریں واپس پتیلی کی سمت کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"ہوں۔" اس نے ہنکار بھرا۔

"بلال انکل!" باہر سے مائرہ کی آواز آئی اور وہ باہر چلا گیا۔ نمیں نے مشکل سے آنسوؤں کو اندر دھکیلا۔ وہ اس وقت رو نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

مائرہ کی سالگرہ تھی اور اتنے وقت میں پہلی بار انہوں نے گھر میں چھوٹی سی تقریب رکھی۔ اس بار 'ریٹرن گفٹس' نہیں تھے۔ اس نے جاتے ہوئے سب بچوں کے ہاتھ میں اپنے اشتہار اور فون نمبر والے پرچے تھمائے تھے۔ عشرت اور بلال رات میں تقریب کے بعد آئے کہ اس دن بلال کی چھٹی نہیں تھی۔

وہ اب بھی حتی المقدور کوشش کرتی تھی کہ اس کے سامنے نہ آئے۔ تین کمروں کے گھر میں اس کے لیے ہمیشہ باورچی خانہ ہی بچتا تھا۔

وہ خواہ مخواہ چیزیں ادھر ادھر کر رہی تھی کہ دانیال آیا۔

"چلیں آپی۔"

"کہاں؟"

"بلال انکل سب کو آئس کریم کھلانے لے جا رہے ہیں۔"

"تم جاؤ بیٹا! میں بہت تھک گئی ہوں۔" اس نے ہاتھ سے اس کے بال سنوارے۔

نشاط اور عشرت کے کہنے پر بھی اس نے تھکن کا کہہ کر منع کر دیا۔ ان سب کے چلے جانے کے بعد وہ ہال میں آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ آج کے دن بھی ترانہ کے گھر سے کوئی نہیں آیا تھا۔ بچوں کے نانا، نانی نہیں تھے لیکن ماموں اور خالائیں تو تھیں مگر جانے کون سا خوف انہیں دور رکھتا تھا۔ وہ ابھی سے کس قدر اکیلے ہیں یہ خیال اسے دکھی کر رہا تھا۔ اب اسے شدت سے محسوس ہوتا تھا کہ ان دونوں کے علاوہ بچوں کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ جب تک وہ اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو جاتے، اسے ان کے ساتھ رہنا ہوگا۔ سوچوں میں غرق وہ وہیں بیٹھی رہی یہاں تک کہ وہ واپس آ گئے۔ عشرت اور بلال اندر نہیں آئے تھے۔ دیر ہو رہی تھی سو وہ انہیں باہر ہی چھوڑ کر چلے

digest library.com

گئے تھے۔

"اب سو جاؤ بچوں! صبح اسکول بھی ہے، پہلے کپڑے بدلو۔ چلو۔" نشاط اندر بستر ٹھیک کرنے چلی گئیں۔

دانیال نے اسے آئس کریم کا ڈبا تھمایا۔

"یہ آپ کے لیے۔" اس نے چونک کے دانیال کو دیکھا۔ اسے کیسے اس کا پسندیدہ فلیور معلوم؟

"اسے ہی تو معلوم ہے جسے تم نے سینکڑوں بار اس کے لیے دوڑایا تھا۔" اس نے دانیال کے ہاتھ سے 'ونیلا چوکوچپ' آئس کریم لے لی۔

"آپ کھائیں گی؟ میں سپون لاتا ہوں۔" وہ اس کی سنے بنا دوڑ کے چمچہ لے آیا۔

"آجاؤ دانی بیٹا۔" نشاط نے پکارا اور وہ چلا گیا۔

اس نے آہستہ سے ڈھکن کھولا۔ اس کی آنکھیں جانے کس بات پر ابلنے لگی تھیں۔ عرصے بعد آئس کریم دیکھ کے، اپنا پسندیدہ فلیور یاد رہ جانے پر یا یاد رہ جانے کی وجہ پر۔ وہ تاریک کمرے میں روتے ہوئے آئس کریم کھا رہی تھی جس کا ذائقہ اس سے پہلے کبھی نمکین نہ تھا۔

☆☆☆

ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ اس کی ممانی کی بہن اپنے بیٹے کے لیے اس کا رشتہ لے آئیں۔ تب اسے پتا چلا ان کے بیٹے کو وہ بے انتہا پسند تھی۔ وہ بیٹے کی پسند اپنانے کو تیار تھیں لیکن اس شرط پر کہ ان کا بیٹا دانیال اور مائرہ کی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھائے گا۔ انہیں بہو کے میکے کا کوئی جھنجھٹ نہیں پالنا تھا۔

لڑکا صورت شکل میں اس کا ہم پلہ تھا۔ اچھی نوکری تھی، گھرانہ بھی معقول تھا۔ نشاط کو ان کی شرائط بری یا غلط نہیں لگ رہی تھیں۔ جب بچوں کے سگے خالا ماموں کے خون سفید ہو گئے تھے تو وہ تو اجنبی تھے۔ وہ دانیال اور مائرہ کی خاطر اس کا مستقبل داؤ پر نہیں لگا سکتی تھیں۔

"تم سے زیادہ اسے فکر ہے جس نے انہیں دنیا میں بھیجا ہے، جس نے ان سے والدین کو دور کیا ہے۔" اس کی باتوں کے جواب میں نشاط کے پاس جواب 'توکل' تھا۔

"مجھے نہیں کرنی امی ابھی شادی۔ پلیز انہیں انکار کر دیں اور کچھ سال اس بارے میں سوچیں بھی نہیں۔"

وہ جو پورے جوش اور پکے ارادے سے اپنے کام کو بڑھانے پھیلانے پر کمربستہ تھی، اس درمیان شادی کا ذکر اسے کڑوا بادام لگا۔ اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا لیکن نشاط کو اب اس کی شادی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

انہوں نے سب سے قابل اعتبار عشرت سے مدد مانگی کہ وہ جو بچوں کو قبول کرے نہ کرے لیکن اس طرح کی شرائط کے بغیر شادی کو تیار ہو، ایسا رشتہ ڈھونڈنے میں ان کی مدد کریں۔

☆☆☆

"کیا؟" اس نے نہ صرف سنا تھا بلکہ لفظ بہ لفظ اسے ان کی بات سمجھ میں بھی آ گئی تھی پھر بھی اس نے پوچھا۔

"بریرہ کے سسرال سے ہے، تم بھی ملے ہو اس سے۔ بریرہ نے بات کی تھی، نہی کی فوٹو دکھائی تو انہیں پسند آئی ہے، آج جنید اسے دیکھنے آرہا ہے تم بھی ساتھ چلنا وہ چار بجے تک آئے گا یہاں۔" انہوں نے اس کے آگے چائے کا کپ رکھا۔

"اس کی بھی آج ہی چھٹی ہوتی ہے اور نہی کی بھی۔" وہ خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔

چار بجے جنید آیا تو ساتھ اس کی امی بھی تھیں۔ اسے ان سب کو نہی کے گھر لے جانا تھا۔

وہاں دانیال اور مائرہ اسے گھیر کے بیٹھ گئے۔ ذرا دیر کی رسمی سی باتوں کے بعد جنید کی امی نے نہی کا پوچھا اور نشاط نے مائرہ سے کہ جاؤ آپی کو بلا لاؤ۔

"السلام علیکم۔" وہ چائے کی ٹرے لیے اندر آئی۔

ماں کی ہدایت اور تنبیہہ پر اس نے آج ہلکا سا میک اپ کیا تھا۔ سب کو چائے دینے کے بعد آخر میں الگ تھلگ بیٹھے بلال کی طرف کپ بڑھایا۔

"تھینکس۔" بلال نے اسے دیکھا۔ زیبائش کے اہتمام کے ساتھ جھکی نظریں۔ اس نے بلال کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"یہاں آؤ بیٹا۔" جنید کی امی نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کی دعوت دی اور وہ جا کے ان کے بازو میں بیٹھ گئی۔

اس کی امی اور عشرت ہی باتیں کر رہی تھیں۔ جنید لڑکی دیکھنے آیا تھا اور پوری ایمانداری سے وہ ہی کر رہا تھا۔ اس کے انہماک اور مستقل مزاجی کا عالم یہ تھا کہ بلال کے متوجہ کرنے پر بھی وہ ہوں ہاں سے آگے کچھ کہہ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جب وہ واپسی کے لیے اٹھے تو نشاط نے ان دونوں کو روکنا چاہا لیکن عشرت نے مہمانوں کے ساتھ واپس ہونا زیادہ مناسب سمجھا۔

"کیسی لگی بیٹے بتی؟" عشرت کو ہی 'ورڈکٹ' کی جلدی تھی۔

"ماشاء اللہ بڑی پیاری ہے، میرا تو دل آ گیا۔"

"دوسری امی بھی بے صبری تھیں۔

"جنید؟" اپنی رائے کے بعد انہوں نے پیچھے سے نشست پر ہاتھ رکھتے ہوئے آگے بیٹھے بیٹے کو دیکھا۔ بلال نے بھی اچٹتی نظر اس پر ڈالی جو مسکرا رہا تھا۔

"مجھے بھی پسند آئی ہے۔" اس نے مڑ کے ماں کو دیکھا۔

"شکر ہے۔" وہ اطمینان سے پیچھے ہوئیں۔

"اتنی لڑکیاں دکھا دکھا کے اب تو میں تھک گئی تھی۔ عشرت! بریرہ کو شکریہ کہنا میری طرف سے۔ میں بھی فون کروں گی اسے اور ہاں۔"

بلال ایک دم ساری دنیا سے بے زار ہو گیا۔

☆☆☆

کپڑے بدلنے سے پہلے وہ کتنی دیر گم صم سی آئینے کے سامنے بیٹھی رہی تھی۔ اس کی نشاط کے ساتھ گرما گرم بحث ہوئی تھی جب انہوں نے ایک نئے رشتے کا بتایا۔

"امی! میں نے کہا نا، مجھے شادی نہیں کرنی۔ کیوں اپنا اور دوسروں کا وقت برباد کر رہی ہیں۔" اسے غصہ آ گیا تھا۔

"میں ایسی جگہ ہی تمہاری شادی کروں گی جو تمہیں ہمارے اور خود اپنے لیے کچھ کرنے سے روکے نہ، ایک کام کے لیے دوسرے ضروری کام کو رد کرنا بے وقوفی ہوتی ہے بیٹا۔"

اس نے پھر بھی سختی سے انہیں روک دیا لیکن ان کی کوشش جاری تھی۔ وہ انہیں فون پر اسی سلسلے میں جانے کس کس سے باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔ اکثر رات کو اٹھ کے ہال میں ٹہلنے لگتیں۔ انہوں نے سوچا تھا اس قسم کا لڑکا اور خاندان ڈھونڈنا اتنا مشکل نہیں ہوگا لیکن جب لوگوں کی باتیں سنیں تو اندازہ ہوا کہ یہ کس قدر مشکل ہے۔ اب انہیں یہ ناممکن لگنے لگا تھا۔ یہ تصور کہ کسی ایسی ہی شرائط والے کے ساتھ بیٹی بیاہی ہوگی یا گھر بٹھا کے رکھنی ہوگی، ان کی نیندیں اڑا گیا تھا۔

جنید کی آمد کی خبر دیتے ہوئے انہوں نے بڑے رسان سے اسے سمجھایا تھا۔

"بیٹا اچھے لوگ اس دنیا میں کم ہیں اور اگر اللہ کے حکم سے کوئی ہمیں مل جائے تو اس کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے۔ میرے سکون اور تسلی کے لیے تم پہلے مل تو لو بعد کی پھر دیکھیں گے۔" اور اتنے دنوں سے انہیں مضمحل اور مایوس دیکھنے کے بعد آج وہ آس میں گھری ماں کو انکار نہ کر سکی تھی۔

"آپ بہت کیوٹ لگ رہی ہیں پہلے کی طرح۔" مائرہ نے آ کے اس کے گال پر بوسہ دیا تو وہ چونکی۔

"اچھا۔" وہ ہنس دی۔

"اب آپ ایسے ریڈی کیوں نہیں ہوتیں؟" اس کے معصوم سوال پر اس نے ایک بار خود کو شیشے میں

digest library.com

دیکھا۔

"وقت ہی نہیں رہتا گڑیا اور نہ دل کرتا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور فوراً احساس ہوا کہ یہ اس سے کرنے والی بات نہیں تھی۔

"دانی نے پیٹیز بچائے یا سب چٹ کر لیے؟" اس نے بات بدل دی۔

"ہم آپ کا ویٹ کر رہے ہیں، میں بلانے آئی تھی۔ ساتھ کھائیں گے، چلیں۔" اس نے نمی کا ہاتھ پکڑ کے اٹھایا۔

"چلو۔" وہ کپڑے بدلنا بعد پہ ڈال کے اٹھ گئی۔

"انہیں تم پسند آئی ہو۔" وہ رات نشاط کو دوا دینے گئی تو انہوں مسکرا کے کہا۔

"اچھا۔" اس نے دوا ان کی ہتھیلی پر رکھ کے انہیں پانی کا گلاس پکڑایا۔

"تم خوش نہیں ہو؟ تمہیں پسند نہیں آیا جنید؟"

"امی ان حالات میں شادی۔ اور آپ تینوں؟"

"اللہ پر بھروسا رکھو بیٹا۔ وہ کسی کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ ہر بات کا صحیح وقت ہوتا ہے، یہ وقت تمہاری شادی کا ہے پھر جنید اور اس کی ماں سے عشرت نے کھل کے تمام باتیں کی ہیں۔" انہوں نے گولی حلق میں رکھ کے پانی کے دو گھونٹ لیے اور گلاس اسے واپس تھمایا۔

اس نے ان کے دونوں جانب سوئے دانیال اور مائرہ پر چادر ٹھیک سے ڈالی اور باہر آ گئی۔

صوفے پر تکیہ رکھا اور بتی بجھا کے لیٹ گئی۔

"آئی ہیٹ یو نمی!" اس نے آنکھیں موند لیں۔ چند آنسو کنپٹی پر لڑھک گئے۔

پہلے وہ ناقدری تھی اور اب قدرت اسے بے قدر کر کے قدر کی اہمیت سمجھا رہی تھی۔

☆☆☆

"لیکن تم۔؟" اس کی بات کے جواب میں ان کا ردعمل وہی تھا جس کی اس نے توقع کی تھی۔

"وہ پرانی بات تھی۔" اس نے پرفیوم کی شیشی واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھی طرح سوچ لو بیٹا! یہ نہ ہو بعد میں یہ فیصلہ جلد بازی لگے۔" اس نے سب خود تک رکھا تھا لیکن وہ ماں تھیں، الف سے ے تک نہ سہی لیکن انہیں اس کی ناپسندیدگی کا اندازہ تھا۔

"پیاری امی! آپ کا بیٹا سوچ سمجھ کے ہی فیصلے کرتا ہے، یقین رکھیں، یہ جلد بازی یا غلطی نہیں۔"

عشرت نے نشاط سے تو کہا، ان پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی اور نہیں چند پل کے لیے گونگی ہوگئی تھی۔

"یہ آپ سے آنٹی نے کہا؟" اس نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔

"ہاں۔ بیٹا! یہ تو میری ساری دعاؤں کا ثمر ہے۔ اس سے بڑھ کے مجھے اور کیا چاہیے۔ تمہیں دانیال، مائرہ ہماری سب کی فکر تھی نا دیکھو اللہ نے کیسا انتظام کیا ہے۔" جانے کتنے عرصے بعد اس نے ماں کے انگ انگ سے ایسی حقیقی خوشی پھوٹتی محسوس کی تھی۔ ان کا چہرہ، آنکھیں سب کھل اٹھے تھے۔

"دنیا میں عشرت اور بلال جیسے لوگ آٹے میں نمک برابر ہیں۔ یہاں اکثریت ان کی ہے جو دینے والوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، جھوٹی سچی کہانیاں سنا کے ہمیشہ ہاتھ پھیلائے آجاتے ہیں اور پھر پلٹ کر اسی وقت دیکھتے ہیں جب پھر پیسے کی ضرورت ہو مگر عشرت اور بلال نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

انہوں نے تمہارے پاپا کے بعد بھی ہمیں عزت دی، مان دیا، اور سب سے بڑھ کے جب ہمارے پاس دینے کو کچھ نہیں، تب ساتھ دیا۔ آج وہ ہوتے تو بلال اور تمہارے رشتے پر سب سے زیادہ خوش ہوتے۔ بلال سے اچھا بر میں تمہارے لیے نہیں ڈھونڈ سکتی بیٹا۔"

اس کے بعد اس میں حوصلہ نہیں تھا کہ وہ ان سے یہ خوشی چھین لیتی لیکن جب رات صوفے پر لیٹتی

تو اس کے وہ تین لفظ اسے بے چین کر دیتے۔ تذبذب میں کئی دن گزر گئے۔

اب بھی نشاط کے آگے سر جھکا دینے کے باوجود وہ اندھیرے میں صوفے پر بڑی دیر سے فون ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔ آخر ہمت کر کے ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''اگر تم پر آنٹی اور امی کا پریشر ہے تو میں امی کو منع کر دیتی ہوں۔'' اس نے سلام اور تمہید کے بغیر ہی مدعا بیان کیا۔

''بڑی جلدی خیال آیا!'' بلال مسکرایا تھا۔

''مجھ پر کسی کا پریشر نہیں ہے۔'' اس نے لکھا۔

پڑھنے کے بعد بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے یا اس سے پوچھ ہی لے کہ تمہیں تو مجھ سے نفرت ہے پھر۔؟

کتنی ہی دیر اس کی انگلیاں کی بورڈ کے اوپر، حروف کو چھوئے بنا بے قراری متحرک رہیں لیکن وہ کچھ نہ لکھ سکی۔ بلال اس کے اگلے پیغام کا منتظر تھا لیکن اس نے فون بند کر کے رکھ دیا۔

''ابھی مجھ سے نفرت پر پاپا کی محبت حاوی ہے شاید۔'' اس نے سوچا اور آنکھ بند کی تو آج اس کے تین لفظوں کے بجائے آنکھوں اور خیالوں میں ابا تھے اور ابا کے ساتھ ان کا چہیتا بلال بھی۔

☆☆☆

رمضان بہت مصروف گزرے تھے۔ عید کے دوسرے دن ان دونوں کا نکاح تھا۔

سب سے زیادہ خوش دانیال اور مائرہ تھے۔ نئے کپڑے پہنے سارے گھر میں چہک رہے تھے۔

نشاط کے اصرار کے باوجود اس نے اپنی کسی سہیلی کو نہیں بلایا تھا۔ چاچا، اور ماموں کے علاوہ کوئی رشتے دار بھی نہیں تھا۔ نشاط نے مدعو سب کو کیا تھا لیکن ویسے میں۔ آج چاچا، ماموں، عشرت، نشاط اور بلال کے علاوہ اس کے دو دوست موجود تھے۔

''بیٹا کچھ میک اپ ہی کر لیتی۔'' جب کھانے کے بعد وہ عشرت اور بلال کے ساتھ رخصت ہونے لگی تو اس کا کاجل اور لپ اسٹک بھی مٹ گئے تھے۔

''امی! وہاں جا کر چینج کروں گی، تب کر لوں گی۔ گرمی کتنی ہے۔'' انہوں نے اس کا جوڑا بھی الگ بنوایا تھا جو اس نے گرمی کا بہانہ بنا کے وہاں جا کے پہنوں گی کہہ کر انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ ماں کے گلے لگتے لگ کر وہ بہت روئی جب کہ نشاط نے ہمت کر کے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔

عشرت پیچھے بیٹھی تھیں اور وہ اس کے ساتھ آگے۔

اس عمارت میں وہ جانے کتنی بار آئی تھی لیکن اس دفعہ اس کی حیثیت بدلی ہوئی تھی۔ عشرت سو گئی تھیں اور ان دونوں نے خاموشی سے سفر طے کیا تھا۔

''امی! آپ بہت تھک گئی ہیں، سو جائیں۔'' گھر میں آتے ہی اس نے کہا۔

''بیٹا! ایسے کیسے، میری بہو۔''

''یہاں کوئی غیر یا اجنبی نہیں ہے فارمیلٹی میں نہ پڑیں، ہماری فکر چھوڑ کے آرام کریں۔'' اس نے بڑی محبت اور نرمی سے کہا۔ عشرت نے اسے دیکھا۔

''ہاں آنٹی! آپ آرام کریں۔'' وہ اپنی گھبراہٹ چھپا کے مسکرائی۔

''آئیں۔'' وہ انہیں تھام کے ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔

''میں دوائی دیتا ہوں، دوپہر کی ٹیبلیٹ بھی مس کی ہے آپ نے آج۔''

''تم بھی جاؤ کمرے میں۔'' انہوں نے چند قدم اٹھانے کے بعد رک کے اسے دیکھا۔ اس نے بلال کی سمت دیکھنے کی کوشش کی لیکن آنکھیں ادھر اٹھنے سے انکاری ہوئیں تو وہ اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

کمرہ اس کے لیے نیا نہیں تھا نہ وہاں کچھ بدلا تھا۔ وہی پلنگ تھا جس پر وہ دونوں جہاں سے غافل ہو کے پرسکون سوئی تھی۔ اس نے آگے آتے ہوئے فرش پر رکھے قد آدم آئینے کو دیکھا جو اسے اس کمرے کی سب سے خوبصورت چیز لگتا تھا۔ اپنے عکس کو دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی تھی نہ یہ خیال آیا کہ کب سوچا تھا

digest library.com

ایسی دلہن بنوں گی۔ وہ فیشن، میک اپ، کپڑے، جوتوں کی دلدادو نہ بچی ہی نہیں تھی تو اس کی خواہشوں اور توقعات کی حسرتیں کیسی!

بلال نے اسے متوجہ کرنے، گلا صاف کیا تو وہ چونک کے مڑی۔

"چائے کافی کچھ چاہیے؟" اس نے دہیں دروازے کے قریب سے موقع و محل کے لحاظ سے عجیب سا سوال داغا۔

"نہیں۔" اس نے دھیرے سے کہہ کے سر جھکایا ہی تھا کہ یاد آیا تو فوراً اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں چاہیے۔؟ میں بناتی ہوں۔" وہ اس کے پاس سے گزر کے جانے لگی تھی کہ بلال نے اس کا بازو کہنی کے قریب گرفت میں لے کے روکا۔ جانے اس کی ہتھیلی میں واقعی اتنی تپش تھی یا وہ بہت سرد جو اسے آگ کی لپٹیں سی محسوس ہوئیں۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔

"مجھے بھی نہیں چاہیے۔" اس نے بازو ہلکے سے کھینچ کر اسے اپنے سامنے کیا پھر فقرہ مکمل کیا۔

"چائے کافی۔" اس کا کریم اور سنہری نفیس سے کام کا جوڑا، آنسوؤں سے دھلا گلابی چہرہ، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں مٹا مٹا کاجل اور مٹی سی لپ اسٹک۔ بلال کے لیے ساری کائنات کا حسن مجسم سامنے موجود تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" بالآخر بلال نے خاموشی کے تالاب میں پہلا پتھر اچھالا۔

"تم نے مجھ سے شادی کیوں کی۔" جو بات اسے پریشان کیے تھی، زبان پر آ ہی گئی۔

"تم نے کیوں کی؟" اس نے وہی سوال نہیں سے پوچھا۔

"میرا جواب تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔" اس نے ایمان داری سے کہا۔

"تمہیں میرے اچھا برا لگنے کی پروا ہے۔" اس کے جملے میں طنز نہیں تھا، پھر بھی دھیمے اور ملائم لہجے میں کہی بات اس کے دل میں اس بری طرح کھبی کہ زخم اس کی نگاہوں سے چھلک گیا۔ بلال کو غلطی کا احساس ہوا۔

"بخدا یہ طنز نہیں، تمہارے سوال کا جواب ہے۔" اس کی آنکھوں میں الجھن لہرائی۔

"ہم سب کی زندگی میں کوئی واقعہ، حادثہ، کوئی شخص، کوئی ملاقات، کوئی انہونی۔ کچھ تو ایسا ضرور ہوتا ہے جسے مرکز بنا کے ہم زندگی کو اس سے پہلے اور اس کے بعد میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ تمہارا میرے پاس، اس گھر میں آنا وہ حادثہ تھا۔" وہ کسی خیال کے زیر اثر ٹھہر گیا۔

"تم نے جواب نہیں دیا، تم نے کیوں کی مجھ سے شادی؟"

"امی اتنی فکرمند تھیں، پھر اس رشتے پر بہت خوش، میں انہیں انکار نہیں کر سکتی تھی۔" اسے بلال کی گرفت کا پورا احساس تھا۔

"لیکن تم نے مجھ سے پوچھا تھا اگر مجھ پر پریشر ہے تو تم انکار کر دو گی۔" اس نے یاد دلایا۔

"مجھے لگ رہا تھا تم امی اور آنٹی کو نہ نہیں کہہ پا رہے اس لیے۔"

"تم چاچی کو انکار نہیں کر سکتی تھیں لیکن میرے پریشر میں ہونے پر منع کر دیتیں؟" وہ ہلکے سے مسکرایا۔ وہ چپ رہی۔

"میں نے اس سے پہلے کی زندگی تم سے نفرت کرتے گزاری تھی اور اب۔ بقیہ زندگی تم سے محبت کرتے گزاروں گا۔" اس نے ایسا کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ ایسا کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔

"تمہاری نفرت برحق تھی، اس کی تلافی کی ضرورت نہیں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"نفرت کبھی برحق نہیں ہوتی نہی۔ یہ بھی چوائس ہوتی ہے، میں تمہیں، تمہاری باتوں کو نظرانداز بھی کر سکتا تھا، انہیں کوئی اہمیت نہ دیتا، ان کے لیے خود کو پتھر بھی کر سکتا تھا، تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے خود کو الگ کر سکتا تھا اور۔" اس نے بازو چھوڑ کے

digest library.com

اپنی گرم ہتھیلیاں اس کے سرد رخساروں پر رکھیں۔

"محبت تلافی نہیں ہوتی ۔ محبت، محبت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی۔ تم سے محبت میرا ارادہ تھا نہ انتخاب ۔ لیکن یہ ازل سے میری زندگی کا سچ تھی، ہونی تھی، تم سے ہی ہونی تھی، ان ہی حالات میں ہونی تھی، ہوگئی۔" اس نے مسکرا کے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

بلال کو اس سے محبت ۔ چند لفظوں کی ترتیب سے اس جملے کا وجود میں آنا ہی معجزہ تھا۔ جذبات کا ایسا زبردست ریلا آیا کہ وہ آواز سے رونے لگی۔

"نہیں!" وہ گھبرا گیا۔

"نہیں! امی سو بھی گئی ہوں گی تو تمہاری آواز سن کے ادھر آجائیں گی۔" اس نے سنا ہی نہیں اور روتے ہوئے اس کا سر بلال کے سینے پہ ٹک گیا۔

"نمی!" بلال نے اس کے گرد اپنا بازو پھیلایا اور سسکیاں دب سی گئیں۔ اسے اس وقت کسی کا خیال تھا نہ پروا لیکن بلال کو دوسرے کمرے میں موجود ماں کا خیال تھا، سو وہ ایک بازو سے اسے سنبھالے احتیاط سے پیچھے دروازے کی طرف جھکا، دوسرے ہاتھ سے دروازے کے پٹ بند کیے اور پھر دوسرے بازو سے حلقہ مکمل کیا۔ نمی کی آواز مزید دب گئی لیکن گریہ کی شدت وہی تھی۔

"تم نے کہا تھا۔" جب رونا بند ہوا، اس نے بلال کی سرگوشی سنی۔

"باقی آدمی بات جب دل کرے سنا دینا۔" وہ آہستگی سے اس سے دور ہوئی۔

"یہیں کھڑے کھڑے سنوگی ۔؟ لمبی بات ہے۔" بلال نے پہلے ہی خبردار کیا۔ وہ اپنی بے اختیاری پر خجل سی چہرہ صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلاگئی۔

"میں نے جانتے بوجھتے تمہارے لیے مسز تسنیم کو ہاں کی تھی اور اس دن نوٹس لکھتے ہوئے میرا غصہ چاہتا تھا تم بھی وہی محسوس کرو جو کبھی میں نے کیا، مجھے تم سے واش۔"

"وہ میرا کام تھا اور کام تو کام ہوتا ہے۔" اس نے بات مکمل نہیں ہونے دی۔

"لیکن میں نے وہ سب تم سے کام کی طرح کام کے لیے نہیں کہا تھا، میرا مقصد کچھ اور تھا۔ انسان بے صبرا ہے، وہ معاملات حشر پر اس وقت چھوڑتا ہے جب خود کو بے بس محسوس کرے، ذرا سا اختیار، ذرا سی طاقت ملتے ہی معاملات اپنے ہاتھ میں لینے میں دیر نہیں کرتا، مجھے اس کا ہمیشہ افسوس رہے گا، تم سے معافی۔"

"تم نے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا جس کے لیے مجھے تمہیں معاف کرنا پڑے۔" اس نے ہمت کر کے بلال کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"میں زندگی میں کسی سے اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا تم نے متاثر کیا ہے۔" کچھ پل اسے یونہی تہارنے کے بعد اس نے کہا تو نہیں حیران رہ گئی۔

"میں نے بہت اسٹرگل کی ہے اور خود کو اکثر شاباشی بھی دیتا رہا ہوں کہ بلال تم باہمت انسان ہو لیکن تمہارے مقابل میں۔"

"ایسا نہ کہو۔" اس نے بات قطع کی۔ "میں کبھی تمہاری برابری نہیں کرسکتی۔" اس نے پھر آنکھیں جھکالیں۔

"متفق!" وہ مسکرایا۔

"تم نے خود کو مجھ سے زیادہ باہمت ثابت کیا ہے۔ میں جیسا ہوں ویسا ہمیشہ سے تھا، مجھے اپنے خیالات، اصول، طرز زندگی، آسائشیں، دوست، شوق، مقاصد کچھ بھی نہ بدلنے پڑے نہ چھوڑنے پڑے، میں نے ابا کے علاوہ کھویا کچھ نہیں تھا جب کہ تم نے سب گنوانے کے بعد خود کو ثابت کیا ہے، تمہارا اسٹرگل اس لیے بھی مجھ سے بڑی ہے کہ تم نے اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے خود کو بدلا، اپنی زندگی سنوارنے کے لیے تو سب کو ہی ہاتھ پیر مارنے پڑتے ہیں مگر دوسروں کی خاطر اپنی نفی کرنا آسان نہیں ہوتا۔"

"میں نے ایسا کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے

جیسا تم کہہ رہے ہو۔ میں پہلے غلط تھی، بدتمیز، مغرور اور۔ اور نالائق بھی، بس اب خود کو ٹھیک کیا ہے۔''
اس کے انداز میں ندامت تھی۔
''اور تمہیں اندازہ نہیں، یہ مان کر خود کو بدل لینا کتنا بڑا کارنامہ ہے۔'' بلال نے اس کا چہرہ اوپر کیا۔
''ویسے تمہیں صرف سننا ہے۔'' وہ پھر کچھ کہنے جارہی تھی کہ بلال نے یاد دلایا۔
''جس نے بھی تمہاری اولین زندگی دیکھی ہے وہ اس وقت تمہاری بے انتہا قدر اور عزت کرے گا اور مجھ سے زیادہ قریب سے تمہیں شاید ہی کسی نے دیکھا ہو، مجھے شادی سے پہلے بھی تمہیں دیکھ کر فخر محسوس ہونے لگا تھا کہ میں ایک ایسے انسان کو جانتا ہوں اور اب تو مجھ سے زیادہ مغرور کوئی نہیں ہوگا کہ تم ۔۔'' وہ یکایک ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کے پھر رونے لگی۔
بلال کو احساس نہیں تھا کہ جب جب اس کی کسی بات یا عمل سے اس کی بڑائی، اچھائی اور مثبت شخصیت کا اظہار، ادراک، اعتراف ہوتا تھا، نہی کا اپنے پچھلے رویے پر افسوس اور احساس جرم عود آتا تھا۔
''نہیں!'' بلال نے اس کے ہاتھ ہٹائے۔
''تم اتنے اچھے ہو اور میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔'' وہ روتے ہوئے ہی گویا ہوئی۔
''تم بھی بہت اچھی ہو۔'' وہ مسکرایا۔'' اور میری دلچسپی اس میں ہے کہ تم اب میرے ساتھ کیا کروگی۔'' اس نے شوخی سے کہتے ہوئے نہی کے رخساروں کی نمی اپنی انگلیوں پر منتقل کی۔
اس کا دل چاہا اس کا ہی جملہ اسے لوٹائے کہ بقیہ زندگی تم سے محبت کرتے گزاروں گی لیکن جھجک مانع تھی۔ جتنا وہ اس کے ساتھ بے تکلف اور بے باک تھا، وہ ابھی وہاں تک پہنچنے کے سفر میں تھی۔
''میں نہیں سوچتا اور تم بھی پرانی باتوں کو تھپکیاں دے کر گہری نیند سلا دو، ہمیں آج، ابھی کو جینا ہے اور آنے والے کل کا سوچنا ہے۔''

نہی کو شادی شدہ زندگی کی اولین شب ہی احساس ہو رہا تھا کہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے اپنا ماضی کا رویہ بھولنا آسان نہیں ہوگا، اس کا ہونا بھی تو بلال کے لیے 'ٹارچر' تھا اور وہ بلا سوچے سمجھے پوچھ بیٹھی۔
''میرے ساتھ کیسے رہوگے؟ مجھے دیکھ کر تمہیں میری زہریلی باتیں یاد نہیں آئیں گی؟'' بلال اس کے سوال پر ٹھٹکا۔
''تمہارے ساتھ میرا ماضی اسی وقت تک تکلیف دہ تھا جب تک مجھے آنے والے کل اور آج میں تمہارے ساتھ کی خواہش نہیں تھی۔''
نہی کی نسبت اس کے خیالات صریح اور الجھنوں سے پاک تھے۔ بلال کی بات پر وہ چونکی۔ جو بیت گیا اس کا مسلسل افسوس اور پچھتاوا ضروری ہے یا بلال کے ساتھ محبت بھرا روشن، اجلا آج۔ فیصلہ آسان تھا، انتخاب بھی۔
''نہی! کچھ زندگیوں میں اوروں کے مقابلے طوفان زیادہ ہوتے ہیں، امتحان کی نوعیت بھی شدید ہوتی ہے، تجربے، آزمائشیں تلخ ہوتی ہیں تب ہی زندگی رخ بدلتی ہے اور ان سب کا مقصد انسان کو کندن بنانا ہوتا ہے۔ اگر وہ درست فیصلے کرے، لڑکھڑائے، گرے، سنبھلے، اٹھے اور پھر کھڑا ہو جائے تو وہ کامیاب ہے اور کامیابی کے بعد جشن ہوتا ہے، خوشیاں ہوتی ہیں۔ راستہ اور سفر جتنا کٹھن ہوگا، جشن اتنا شان دار ہونا چاہیے، اتنی مشکلوں کے بعد ہم دونوں ایک طویل اور شاندار جشن کے حق دار ہیں اس لیے پچھلی اذیتیں ہم اس شب کے دوسری جانب اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے، وہ اور ان کا ذکر ہماری زندگی میں بس آج کی رات تک تھا۔'' وہ کچھ دیر کے لیے رکا۔
''ویسے آج بھی یہ ذکر نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' بلال نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔
''نیا آغاز مبارک۔'' اس نے ذرا سا جھک کے نہی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

digest library.com

☆☆☆

اپنے چھوٹے سے باورچی خانے سے شروع کیا اس کا کام پھل پھول گیا تھا۔ وہ اب اس قدر مستحکم تھی کہ اپنے جیسے دو تین افراد کو ملازم رکھا ہوا تھا۔ مزید آگے بڑھنے کے لیے اس کا حوصلہ بڑھانے والے اس کے پاس تھے۔ جن سے انہیں توقعات اور امیدیں تھیں انہوں نے اسے صرف مایوسی اور دکھ دیا تھا لیکن وہ انہیں یاد کر کے کڑھتی نہیں تھی بلکہ وہ شگفتہ اور تسنیم کوثر جیسے مہربانوں کو ہمیشہ یاد رکھتی تھی۔ اس کی کوشش تھی، وہ بھی تاریکی اور ناامیدی میں بھٹک رہی کسی نبیٰ کے لیے شگفتہ اور تسنیم بنے۔ مسلسل تحریک کے لیے کوئی اور بھی تو ہمہ وقت اس کے ساتھ تھا۔ نشاط اور بچے بھی ان کے قریب آ گئے تھے۔ ان کا نیا اسکول پہلے سے بہتر تھا اور وہ اب بے انتہا مصروف، خوش اور مطمئن 'بزنس وومن' تھی۔

بریرہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ اس کی صحت اب ٹھیک تھی۔ گھر میں بڑی رونق تھی۔ دانیال اور مائرہ کی چھٹی تھی تو آج وہ بھی نشاط کے ساتھ یہیں تھے۔

رات کے کھانے کے بعد وہ گھر چلے گئے تھے۔ بریرہ بھی اپنی نند کی طرف جا رہی تھی کہ رات کے اس وقت ٹریفک کا مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ بلال اسے چھوڑنے نیچے گیا تھا۔ عشرت سونے کے لیے کمرے میں جا چکی تھیں۔

وہ باورچی خانہ کے اندر آئی تو پیچھے بلال بھی تھا۔

''تم بیٹھو۔'' اس نے شانوں سے تھام کے اسے کرسی پر بٹھایا۔

''اور مجھے بتاؤ، کیا کرنا ہے۔'' یہ سچ تھا کہ وہ بچوں کے ساتھ، ان کی فرمائشوں کے بیچ ایک پرتکلف عشائیے کے اہتمام میں کافی تھک گئی تھی۔

''ایک کڑک سی چائے۔'' نبیٰ نے مسکرا کے کہا۔

''اس وقت؟'' بلال نے وقت دیکھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کے سر آگے پیچھے کیا۔

''او کے۔ ایک کڑک چائے۔'' وہ پلٹ کے چائے بنانے کی تیاری کرنے لگا۔

ایک بات جو اسے ہمیشہ بلال کی غیر موجودگی میں یاد آئی تھی، آج صحیح وقت پر یاد آئی۔

''مجھے پورے فائیو اسٹار کب ملیں گے؟'' نبیٰ کے سوال پر وہ مسرور و محظوظ سا اس کی طرف پلٹا۔

''میں اتنی جی توڑ کوشش کرتی تھی کہ کسی دن تو پورے پانچ اسٹار دینے پر مجبور ہو جاؤ۔'' اس کا لہجہ شکایتی تھا۔

''اس کا مثبت پہلو بھی تو دیکھو کہ تم نے خود کو کتنا امپرو و کر لیا ہے۔'' اس نے اپنے بخل کا فائدہ گنوایا۔

''مطلب مجھے اب بھی فائیو اسٹار نہیں ملنے؟'' ستائش کی تمنا کسے نہیں ہوتی اور اپنے سے تو شدید ہوتی ہے۔ وہ چلتا اس کے پاس آیا۔

''پانچ کیا سارے اسٹارز تمہارے ہیں اور اگر تمہیں چاہئیں تو اب یہ کاغذ پر نہیں کہیں اور ملیں گے۔'' وہ کرسی کے پاس ہی میز پر ٹک گیا۔ اس کی غائرانہ نگاہوں کا مفہوم وہ خوب سمجھ رہی تھی۔

''چاہئیں؟'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''تو اسے میں رضامندی سمجھوں۔'' وہ آگے جھکا تب ہی پیچھے سے پتیلی کے لوازمات نے ابل کر چولہے پر چھلانگ لگائی اور شوں شوں کا شور مچا دیا۔

''اوہ چائے!'' وہ فوراً سیدھا ہو کے چولہے کی طرف دوڑا۔

نبیٰ کی ہنسی سارے گھر میں بکھر گئی۔